ضروری اعلان

۱۔ اگر جنوری ۱۹۳۸ء سے اسوقت تک کے مسلسل پرچے آپ کے پاس نہیں ہیں تو اب طلب فرمالیجئے تاکہ "اسلامی ہند کی تاریخ" اور "نغمۂ کارواں" (دونوں کتابیں) آپ کے پاس مکمل ہو جائیں یہ کتابیں علیحدہ ---- شایع نہ ہوں گی

۲۔ چونکہ "اسلامی ہند" کو دسمبر ۳۸ء تک ختم کر دینا ہے، اس لئے "نغمۂ کارواں" کی اشاعت فی الحال ملتوی کر کے "اسلامی ہند" کے صفحات میں اضافہ کر دیا گیا ہے

منیجر نگار

جلد ۳۴	فہرست مضامین اکتوبر ۱۹۳۸ء	شمار ۴

ملاحظات ---------- ۲

حیات و آغاز حیات ---------- اڈیٹر ---------- ۹

جوشؔ کے کلام کی خصوصیات ---------- یوسف رضا بدایونی ---------- ۱۳

سیاسیات یورپ ---------- اڈیٹر ---------- ۲۹

انتخاب کلام نسبتی تھانیسری ---------- اڈیٹر ---------- ۳۷

ایک صناع کے نفسیات (افسانہ) ---------- ل۔ احمر ---------- ۴۳

منظومات ---------- رعنا نقوی۔ فراق گورکھپوری۔ جگر بریلوی۔ مرزا جعفر علیخاں اثر ---------- ۵۲

اسلامی رسم ---------- اڈیٹر ---------- ۲۲۶

ہندوستان کے اندر سالانہ چندہ پانچ روپیہ ششماہی تین روپیہ
ہندوستان سے باہر عزت سالانہ چندہ آٹھ روپیہ یا بارہ شلنگ

ششماہی چندہ میں نگار کا جنوری نمبر
بہ وجہ اضافۂ ضخامت و قیمت شامل نہ ہوگا،

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد-۳۴	اکتوبر ۳۸ء	شمارہ-۴

ملاحظات

برطانوی اقتدار کا جنازہ

آخر کار زیکوسلوکیا میں وہی ہو کر رہا جس کا اندیشہ تھا اور جو ہمیشہ ایک کمزور قوم کے ساتھ طاقتور قوموں نے کیا ہے پنجۂ آہنی کی قوت کے سامنے جس طرح نروج مسیح سے قبل سر جھکا دینا پڑتا تھا، اسی طرح تعلیمات مسیح کی اشاعت کے بعد ہمیشہ جھکایا گیا اور جھکایا جائے گا، لیکن دنیا کی تاریخ میں، اس بلند اخلاق کی نظیر یقیناً نہیں ملیگی جو ۲۲ ستمبر ۳۸ء کو دنیا کی سب سے بڑی حکومت کی طرف سے پیش کیا گیا۔ وہ حکومت جس کے طول و عرض میں آفتاب کبھی نہیں ڈوبتا جس کی عسکری قوت کے سامنے مریخ فلک بھی لرزہ بر اندام رہتا ہے اور جس کی دولت و ثروت دنیا کی اقتصادی توازن کی ذمہ دار ہے! پھر جس وقت اس زبردست قوت و جبروت رکھنے والی سلطنت کا وزیر اعظم اعلان کرتا ہے کہ وہ زیکوسلوکیا کی سرزمین کو جرمنی کی قشونِ قاہرہ سے پامال نہ ہونے دے گا، وہ فرانس کی فوجوں کو تنہا نہ چھوڑیگا اور وہ اس معاہدۂ اتحاد کا پورا احترام کرے گا جو زیکوسلوکیا کے باب میں فرانس اور روس سے ہو چکا ہے، تو دنیا میں امن کی کون کی سی لہر دوڑ جاتی ہے اور ڈاکٹر بنیک حکومتوں کی وہ امیدیں جن کو نازیت و فسطائیت عرصہ سے پامال کرتی چلی آرہی ہے

از سر نو زندہ ہو جاتی ہیں ۔ لیکن چند ساعتیں نہیں گزرتیں کہ جرمنی کا آمر اعظم، ہر ہٹلر جو مکار ڈماگرٹیک حکومتوں کی دکھتی ہوئی رگ کو پکڑنا جانتا ہے، جو دغا باز دعویداران امن وسکون کے دلوں کے چور سے اچھی طرح واقف ہے، نیورنبرگ میں صاف صاف کہدیتا ہے کہ سوڈیٹین علاقہ، فلسطین نہیں ہے جہاں عربوں پر برش تیغ و خنجر کی آزمایش جاری ہے اور کوئی انکی فریاد سننے والا نہیں، یہ وہ علاقہ ہے جہاں جرمنی کی زندہ قوم بستی ہے، جہاں گھونسہ کا جواب گھونسہ سے دیا جاتا ہے اور جہاں انسانی خون کا سودا انسانی خون ہی سے ہوتا ہے ۔ تو برطانوی وزیر اعظم گھبرا اُٹھتا ہے ۔ صید زبوں کی طرح ہر ٹلر کے قدموں پر جا گرتا ہے اور امن وسکون کے نام سے دنیا میں غریب آزاری کی وہ مثال قایم کر جاتا ہے جسے چنگیز و ہلاکو کی خوں آشام تلواریں بھی قایم نہ کر سکی تھیں

اس نے یقیناً ہوا کا رُخ بدل دیا اور کچھ عرصہ کے لئے تلواریں نیاموں میں رکھدی گئیں، لیکن جو قیمت اسکی برطانوی حکومت نے ادا کی؟ اس کو مسٹر چیمبرلین برداشت کرلیں تو کرلیں، لیکن کوئی غیرت دار قوم کبھی برداشت نہیں کر سکتی اور اگر برطانوی قوم میں احساس عزت وخودداری بالکل محو نہیں ہو گیا ہے تو یقیناً اسے بھی برداشت نہ کرنا چاہیے

مسٹر چیمبرلین غالباً خوش ہوں گے کہ اسوقت انھوں نے عالمگیر جنگ کے خطرہ سے دنیا کو بچا لیا، لیکن عالم انسانیت سرنگوں ہے، دنیائے اخلاق سوگوار ہے اور خود برطانوی قوم کو بھی آج نہیں تو کل محسوس کرنا پڑے گا کہ زیکوسلیو کیا کی موت حقیقتاً برطانوی اقتدار کی موت ہے اور اربابِ حل وعقد کے اقدام میں اسکی لاش سے اس امر کی بو آنے لگی ہے کہ برطانیہ قوم کے لئے مسٹر چیمبرلین نے زیکوسلیو کیا کی لاش سے طیار کیا ہے

مسٹر ایڈن فرماتے ہیں کہ "ہم کو ایسا امن وسکون نہیں چاہیے جو ہماری قومی شہرت اور احساس انصاف کو صدمہ پہونچانے والا ہو، کیونکہ یہ امن وسکون ناپایدار اور غیر حقیقی امن وسکون ہوگا ۔ قوم ہونے کی حیثیت سے ہم کو استقلال سے کام لینا چاہیے ورنہ ہماری خودداری فنا ہو جائے گی یہ ہماری تاریخ میں پہلا واقعہ نہیں ہے کہ ہم کو اس قسم کا چیلنج دیا گیا ہو، بارہا ایسا ہوا اور ہم ہمیشہ آزادی اور قانون کی حمایت پر قایم رہے"

مسٹر ایڈن کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ زیکوسلوویکیا کا معاملہ برطانوی اقتدار اور احساس دیانت کا امتحان تھا لیکن یہ دعویٰ کہ برطانوی تاریخ میں بارہا یہ صورتیں پیش آئیں اور اس قوم نے ہمیشہ راستی وصداقت کی حمایت کی، یقیناً غلط ہے ۔ اب سے چند سال قبل جب جاپان نے لیگ اقوام کو ٹھکرا کر منچوریا پر اپنا اقتدار قایم کرنا چاہا تھا، تو کیا یہ برطانوی غیرت وخودداری کا امتحان نہ تھا اور اب بھی شنگھائی کے سواحل پر جو سلوک وہ برطانوی جہازوں، برطانوی رعایا اور برطانوی افسران کے ساتھ کر رہا ہے تو کیا یہ ملکی وملی غیرت کا سوال نہیں ہے

جس وقت مسولینی نے حبشہ پر حملہ کیا ہے تو کیا برطانیہ کے احساس دیانت وصداقت کا یہی اقتضاء تھا کہ وہ اسپر اعتماد کرنے والے ملک کو پامال ہو جاتے ہوئے دیکھے اور کچھ نہ کہے ۔ پھر اس کے علاوہ سواحل اسپین پر جنرل فرانکو کا

برطانوی جہازوں کو ڈبونا اور مسٹر چیمبرلین کا کچھ نہ کہنا، جرمنی کا آسٹریا پر قابض ہو جانا اور انگلستان کا خاموش رہنا، کیا یہ سب کچھ آزادی و قانون کی حمایت میں ہوا اور کیا مسٹر ایڈن کو اپنی قوم کے اس طرزِ عمل پر فخر کرتے ہوئے شرم نہ کرنا چاہئے۔

پھر ہو سکتا ہے کہ اسوقت وہ چند مخصوص افراد جن کے کمزور و ناعاقبت اندیش ہاتھوں میں برطانیہ کی عنانِ حکومت دیدی گئی ہے، اس توہین کو بھول جائیں، لیکن تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور زیکوسلوویکیا کے باب میں مسٹر چیمبرلین کے طرزِ عمل نے برطانیہ کی پیشانی پر بزدلی، بے غیرتی، عہد شکنی اور خود غرضی کا جو بدنما داغ لگا دیا ہے وہ ابدالآباد تک نہیں مٹ سکتا

برطانوی تاریخ میں ہمیں انسانی ہمدردی کی بھی مثالیں نظر آتی ہیں اور اس کی جرات و شہامت کی بھی، چنانچہ اسوقت فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ انسانی ہمدردی ہی کا تقاضہ ہے، ایک مفلوک الحال یہودی قوم کی اعانت و حمایت کے لئے ہے۔ لیکن کس قدر عجیب و غریب بات ہے کہ برطانوی قوم کے اس اخلاق بلند کی نمائش ہمیشہ اسی حکومت اور اسی جماعت کے مقابلہ میں ہوتی ہے جو بے یار و مددگار ہے، جس کے تابِ مقاومت نہ لا سکنے پر اسے یقین ہوتا ہے اور جو سیاسی مکاید میں ان کی حریف نہیں ہو سکتی

آج فلسطین کے عربوں کو پامال کرنے کے لئے انگلستان و ہندوستان دونوں جگہ سے فوجوں پر فوجیں روانہ ہو رہی ہیں، کیونکہ یہودیوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا جواب دینے والا کوئی موجود نہیں ہے، لیکن جب اسی انسانیت کے اظہار کا وقت حبشہ میں آتا ہے تو ایک فوجی دستہ بھی باہر نہیں نکالا جاتا۔ بحر روم میں اقتدار کھو دینا گوارا کر لیا جاتا ہے، لیکن مسولینی کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ پھر اس کو بھی جانے دیجئے کیونکہ حبشہ کا تعلق سیاسیات یورپ سے نہ تھا، لیکن زیکوسلوویکیا کا مسئلہ تو وسط یورپ کی اُن حکومتوں کا مسئلہ تھا جن کے توازن پر دنیا کے امن و سکون کا انحصار بتایا جاتا ہے ایک ایسی حکومت کا مسئلہ تھا جس کے ساتھ برطانیہ کا عسکری معاہدہ تھا، جس کے بقا کی ذمہ داری روس و فرانس کے ساتھ برطانیہ نے بھی اپنے سر لے رکھی تھی۔ پھر یہاں وہ انسانیت کہاں گئی، وہ اخلاق کہاں گیا، وہ "قولِ مرداں" کیا ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ہر ہٹلر کے پاس دھونس (Bluffing) کے سوا کچھ نہیں، لیکن کیا برطانیہ کی بزدلی اس سے زیادہ کوئی اور ہو سکتی ہے کہ دھونس کو دھونس جانتے ہوئے بھی ہر ہٹلر کے سامنے آنے کی ہمت اس کو نہ ہو سکی

چند دن اس طرف کی بات ہے کہ زیکوسلوویکیا کی اعانت میں برطانیہ نے بھی اسی دھونس سے کام لینا چاہا تھا یہاں تک کہ گیس سے محفوظ رکھنے کے لئے کروروں نقاب تقسیم کر دینے کا بھی اعلان کر دیا گیا تھا، لیکن اب معلوم ہوا کہ غریب برطانیہ کو دھونس دکھانے کا بھی سلیقہ حاصل نہیں اور یہ اسی میدان کا شیر ہے جہاں کوئی دوسرا شیر اسکے مقابلہ کے لئے موجود نہ ہو

جس وقت یہ خبر ڈائرٹز نے پہونچائی کہ مسٹر چیمبرلین ہر ہٹلر سے ملنے کے لئے ہوائی جہاز پر جارہے ہیں تو اہل نظر اسی وقت تاڑ گئے تھے کہ یہ سراسیمگی بے وجہ نہیں ہے اور اس کے بعد جب زیکوسلوویکیا کی جدید حد بندی کے متعلق فرانس سے مشورہ لیا گیا تو یہ اندیشہ اور زیادہ قوی ہوگیا، لیکن باایں ہمہ اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ برطانوی پارلیمنٹ اور برطانوی قوم سے استصواب کئے بغیر اس کا فیصلہ ہوجائے گا اور فیصلہ بھی ایسا شرمناک جسے کوئی خودار قوم برداشت نہیں کرسکتی

اہل زیک نے اس فیصلہ کو کس طرح قبول کیا، یہ بیان اتنا دردناک ہے کہ ریوٹر ایجنسی کی محتاط روش بھی اسے نہ چھپا سکی۔ کہا جاتا ہے کہ جس وقت پراگ میں آلہائے اکبر الصوت کے ذریعہ سے اعلان ہوا تو شہر پر موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے کہ:-

"زیک حکومت نے برطانوی فیصلہ کو ایسے سخت دباؤ کے زیر اثر قبول کیا ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ فیصلہ گویا ایک حکم تھا جو کسی مغلوب وضعیف قوم کو دیا جاتا ہے، ہم امن وسکون کے لئے وہی قربانی پیش کررہے ہیں جو کسی وقت مسیح نے پیش کی تھی۔ ہم خود کسی پر الزام نہیں لگاتے، تاریخ خود اس کا بہتر فیصلہ کرنے والی ہے کہ قابل الزام کون ہے"

یہ حال ہے ڈرامہ تو ختم ہوچکا اور (Munich) کا مارٹر حرف حرف کو کوٹا چھانا وزارت کا صاف ہے کے ساتھ کرچکے، لیکن ہم کو سوچنا چاہئے کہ حقیقتاً پس پردہ وہ کیا محرکات تھے جنھوں نے تجویز، مشورہ اور فیصلہ کے تمام مراحل ایک ہی سانس میں طے کرادئے

فرانس کے عزائم کی شکست کے لئے تو صرف یہ جان لینا کافی تھا کہ برطانیہ اس کا ساتھ نہ دے گا، لیکن خود برطانیہ نے کیوں ایسا کیا، اس کا سراغ لگانے کے لئے ہم کو ایک طرف اس تحریک اشتراکیت کا مطالعہ کرنا چاہئے جو حدود انگلستان کے اندر بھی خطرناک صورت اختیار کرتی جاتی ہے اور بہ حالت جنگ ملک کے اندر انقلاب پیدا کرنے پر آمادہ ہے اور دوسری طرف ہندوستان کی سیاسیات کو دیکھنا چاہئے کہ اگر اسوقت جنگ چھڑ جاتی تو اس کی آزادی کے تمام امکانات واقعات میں تبدیل ہوجاتے اور یہ وہ بات ہے جس کے مقابلہ میں برطانوی حکومت اپنا سب کچھ قربان کرسکتی ہے

پائنیر نے خوب لکھا ہے کہ مسٹر چیمبرلین پیام امن لیکر تو ضرور واپس آئے ہیں لیکن اتنی بے عزتی کے ساتھ کہ برطانوی پارلیمنٹ کے وزیر اعظم کا اسے ملک وقوم کو سنانا کچھ ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے

ہوسکتا ہے کہ جس وقت پارلیمنٹ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہو تو چیمبرلین کی وزارت کو مستعفی ہوجانا پڑے لیکن اس کا اثر اب زیک حکومت کی بدقسمتی پر کوئی نہیں پڑسکتا۔ زیکوسلوویکیا تو جتنا ذلیل ہونا تھا ہوچکا اور مسٹر چیمبرلین

کو جو کچھ کرنا تھا کر چکے ۔ گو اسوقت تک تفصیلی بیان شایع نہیں ہوا اور ہٹلر چمبرلین مفاہمت کے جزئیات سے ہم بے خبر ہیں، لیکن اس کی نوعیت اس سے ظاہر ہے کہ جرمن افواج سوڈٹین علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہو رہی ہیں اور بڈاپسٹ میں جرمن قوم کے ساڑھے تین لاکھ افراد نے ہٹلر کی درازی عمر کی دعا مانگتے ہوئے اقدام کا نعرہ بلند کیا۔ یقیناً کوئی صاحب فکر و نظر اس امن و سکون پر مطمئن نہیں ہو سکتا اور نہ التوائے جنگ کوئی پایدار چیز ہے بلکہ اس مسئلہ نے یوروپ کی سیاسیات کو زیادہ پیچیدہ بنا دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ خود اہل زیک جرمن آمریت کو قبول نہ کریں اور جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ پھر یہ وہ آگ ہوگی جسکو ایک چمبرلین کیا سو چمبرلین بھی بجھا نہ سکیں گے

میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ یوروپ کے سیاسی حالات بہت نازک ہو گئے اور قوی اندیشہ پیدا ہو گیا کہ یکم اکتوبر کو دوسری عالمگیر جنگ شروع ہو جائے گی، لیکن ہر ہٹلر کے ساتھ مسٹر چمبرلین کی آخری ملاقات نے پھر ہوا کا رخ بدل دیا اور گمشدہ امن و سکون حاصل ہو گیا یعنی نازیت کے دیوتا پر زیکوسلاویکیا کی قربانی چڑھا دی گئی اور ہر ہٹلر نے وہ کچھ پالیا جس کی اس کو توقع نہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر ہٹلر نے آیندہ کے لئے نہایت مستحکم وعدہ قیام امن و سکون کا کیا ہے اور یوروپ میں اپنے جارحانہ اقدام سے توبہ کر لی ہے لیکن جو لوگ آسٹریا کے باب میں ہٹلر کے وعدہ کا حشر دیکھ چکے ہیں وہ اس وعدہ کی حقیقت سے واقف ہیں۔ اب غالباً مسولینی کی باری آئے گی اور وہ ایتھوپیا میں وہی کرے گا جو ہر ہٹلر نے زیکوسلاویکیا میں کیا ہے۔ اسکے بعد جرمنی افریقہ کے مستعمرات کی واپسی کا مطالبہ کریگا اور آخر کار اس طرح رفتہ رفتہ یوروپ کی ڈماکریسی کو نازیت و فسطائیت ہمیشہ کیلئے ختم کر دیگی

کانگرس کی آسنین کا سانپ

اصول و مقاصد کے لحاظ سے کوئی متنفس ایسا نہیں جو کانگرس کا مخالف ہو لیکن افسوس ہے کہ بعض مخصوص افراد کی وجہ سے جو اسوقت برسر اقتدار ہیں کانگرس کی مقبولیت کم ہوتی جا رہی ہے

کانگرس کا مقصود ملک کو آزاد دیکھنا ہے اور سوائے اُن چند خود غرض افراد کے جو اپنے ضمیر کو محو کر چکے ہیں، سارا ہندوستان اس مسئلہ میں اس کا ہم آہنگ ہے، لیکن یہ مقصد عظیم اسوقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک اکثریت اقلیت کا اعتماد حاصل نہ کرے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مذہبی تعصبات، قومی روایات اور ذاتی اغراض سے بلند ہو کر انسانی رواداری سے کام لیا جائے

اسوقت جن جن صوبوں میں کانگرس کی حکومت ہے، ان کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ کانگرس کے اُن افراد نے جو برسر اقتدار و حکومت ہیں، کانگرس کے حقیقی مقصود کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کا احساس مذہبی ابھر آیا ہے ان کا پندار اکثریت نمایاں ہو گیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے جذبات پامال کرنے میں انھوں نے کانگرس کے احکام اور انسانی اقتضاء دونوں کو پس پشت ڈال دیا ہے

لکھنؤ کے اجلاس کانگرس میں جسوقت پنڈت جواہر لال نہرو نے زبان کے متعلق اظہار رائے کرتے ہوئے

اس کو دوسرے درجہ کا مسئلہ ظاہر کیا تھا، اسی وقت ہم نے کانگرس اور نیز پنڈت جی کو متوجہ کیا تھا کہ اگر وہ ہندو مسلم اتحاد چاہتے ہیں تو سب سے پہلے زبان کے مسئلہ کا فیصلہ کر دیں، کیونکہ اگر ہندو سنسکرت کے ثقیل الفاظ استعمال کرنا ترک نہ کریں گے تو مسلمانوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اُردو کو عربی فارسی الفاظ سے پاک کر دیں مہمل سی بات ہوگی۔

یقیناً اس کے بعد مہاتما گاندھی اور پنڈت جی نے چند بیانات ایسے شایع کئے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلہ کی اہمیت ان پر واضح ہو گئی ہے اور ایک مشترک زبان "ہندوستانی" کے رواج کو اپنے مقاصد میں شامل کر کے اس فتنہ کا سدباب کرنا چاہا ہے، لیکن افسوس ہے کہ کانگرس حکومتوں نے اس پر مطلق عمل نہیں کیا اور اس سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ ہائی کمانڈ نے بھی ان سے کوئی باز پرس نہیں کی

میں کانگریسی خیال کا آدمی ہوں اور ہمیشہ میں نے اس کی حمایت کی ہے، لیکن میرے نزدیک کانگرس نام کسی خاص شخص کا نہیں ہے، اور اس لئے اگر کوئی کانگرسی مقصد کانگرس کے خلاف قدم اُٹھاتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سے باز پرس کریں خواہ وہ کسی حکومت کا وزیر ہی کیوں نہ ہو

حال ہی میں ڈاکٹر گوکل چند نے شملہ کے اجلاس "ہندی ساہتیہ سمیلن" میں کتنی معقول بات کہی ہے کہ ہندی اور ہندوستانی فی الحقیقت دونوں ایک ہی چیز ہیں اور بنارس اسکول کی یہ کوشش کہ ہندی میں سنسکرت الفاظ کا استعمال زیادہ کرنا چاہیئے قابل ملامت حرکت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُردو کے حامی، جو اس کو زیادہ سنسکرت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں پھر عربی و فارسی کے الفاظ شروع کر دیں گے اور ان کا یہ طرز عمل یقیناً حق بہ جانب ہوگا۔

مشترک زبان کے باب میں سب سے پہلی اصولی بات جس پر ہندو مسلمانوں دونوں کا اتفاق ہونا چاہیئے یہ ہے کہ ملک کی زبان سے مراد وہ زبان ہے جس کو دونوں فریق آسانی سے سمجھ سکیں اور اسی اصول کی بنا پر کانگرس نے "ہندوستانی" کے رواج کی تجویز کی۔ اس میں سوال نہ عربی فارسی الفاظ کا ہے نہ سنسکرت کا۔ اگر عربی فارسی کا کوئی لفظ ایسا ہے جسے سب آسانی سے سمجھ سکتے ہیں تو اس کے نکالنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر ثقیل عربی یا فارسی لفظ کی جگہ اس سے زیادہ آسان لفظ ہندی کا مل سکتا ہے تو اس کے اختیار کرنے میں مسلمانوں کو کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے

اب اسی اُصول کو سامنے رکھ کر آپ شہر یا گاؤں میں جا کر تحقیق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ عربی فارسی کے بہت سے الفاظ لوگوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ قانونی الفاظ تو عام تر عربی فارسی کے ہیں جنکا مفہوم ہر شخص کے ذہن نشین ہو چکا ہے، اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ان کی جگہ دوسرے الفاظ وضع کئے جائیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو صوبۂ متحدہ یا یو۔پی کے الفاظ کو نہ سمجھتا ہو لیکن کوشش کی جا رہی ہے کہ اس کی جگہ "سنکیت پرانت" لکھا جائے، ان تمام باتوں سے ہمیں اس ذہنیت کا پتہ چلتا ہے جو ان لوگوں کے اندر کام کر رہی ہے اور اس کا نتیجہ کبھی مفید نہیں ہو سکتا

میں دیکھ رہا ہوں کہ اسی زبان کے مسئلہ میں ہندوستان کے تمام مسلمان خواہ وہ کانگرس سے متعلق ہوں یا مسلم لیگ سے متفق الخیال ہوتے جارہے ہیں اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی پوری جماعت کانگرس سے بالکل علیحدہ ہوگئی تو اس کی ذمہ داری نہ مسٹر جینا پر ہوگی نہ مسٹر شوکت علی پر بلکہ خود کانگرس کے اُن ہندو افراد پر جو ہائی کمانڈ کی نشاندہی کے خلاف کانگرس کی تحریک کو محدود و نامقبول بناتے جارہے ہیں

اُردو ڈے

لکھنؤ کی انجمن بہار ادب نے جو اودھ کی نہایت مقتدر انجمن ہے اپنے ایک جلسہ میں تجویز پیش کی ہے کہ موجودہ ہندی اُردو نزاع کے باب میں ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو متفقہ طور پر اپنی آواز بلند کرنا چاہئے اور زبان کو قبیل بنانے کے لئے سنسکرت الفاظ کا استعمال جو "ہندوستانی" میں عام ہوتا جارہا ہے، اس سے اُردو کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک آل انڈیا تحریک بروئے کار لانا چاہئے چنانچہ ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو ان مسایل پر غور کرکے اپنی رپورٹ پیش کریگی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی طے پایا ہے کہ آئندہ نومبر کی کوئی تاریخ مقرر کرکے تمام ہندوستان میں "یوم اُردو" منایا جائے اور جلسے کرکے صوبوں کی حکومتوں اور کانگریس ہائی کمانڈ کو توجہ دلائی جائے کہ بعض ناعاقبت اندیش ہندوؤں کا سنسکرت کے ثقیل الفاظ کے استعمال پر زور دینا سخت نامناسب حرکت ہے۔ چونکہ اس تحریک کو عام کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں اُردو انجمنیں قایم ہیں ان سب کو "یوم اُردو" منانے میں شریک کیا جائے اس لئے استدعا کی جاتی ہے کہ ایسی تمام انجمنیں اپنے اپنے سکریٹری صاحب انجمن بہار ادب لکھنؤ یا براہ راست دفتر "نگار" کو لکھ بھیجیں تاکہ یہاں سے ان کو ایجنڈا اور تمام ضروری لٹریچر بھیجدیا جائے اور پورے اتحاد عمل کے ساتھ یوم اُردو منایا جائے۔

آپ کے فایدہ کی بات

اگر حسب ذیل کتابیں آپ علحدہ علحدہ خرید فرمائیں گے تو حسب ذیل قیمت ادا کرنا پڑے گی اور محصول علاوہ بریں،

نگارستان	جالستان	ترغیبات جنسی	شہاب کی سرگزشت	استفسار و جواب سہ سالہ جلد
دو روپیہ	چار روپیہ	تین روپیہ	ایک روپیہ	نو روپیہ
مصور کا سخن	مکتوبات نیاز	اُردو شاعری	ہندی شاعری	میزان کل
ڈھائی روپیہ	ڈھائی روپیہ	دو روپیہ	ڈیڑھ روپیہ	سترہ روپیہ آٹھ آنہ

لیکن

اگر تمام کتابیں ایک ساتھ طلب فرمائیں تو صرف بیس روپیہ میں مل جائیں گی اور محصول بھی ہمیں ادا کریں گے۔

منیجر نگار لکھنؤ

حیات و آغاز حیات

جس طرح ہمیں یہ نہیں معلوم کہ "زندگی کیا ہے" اسی طرح ہم اس سے بھی ناواقف ہیں کہ "اس کا آغاز کیونکر ہوا"، ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ سوائے کرۂ زمین کے فضا میں اور کہاں آثار حیات پائے جاتے ہیں اور خود ہمارے کرہ میں حیات کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی

عہد قدیم کا انسان اس سوال کے مختلف جوابات اپنے دماغ میں رکھتا تھا، لیکن ان سب میں ایک غیر انسانی آسمانی قوت کے احساس کا جذبہ کارفرما تھا اور اس کا یہ اعتقاد "قبضۂ و تصرف" کے خیال پر قایم تھا۔ اسی قبضہ و تصرف کے ختم ہو جانے کا نام اس نے موت رکھا تھا اور جب انسان مرجاتا تھا تو وہ سمجھتا تھا کہ کسی غیر معلوم قوت کا قبضہ اس پر ہو گیا ہے

ہندوستان کی قدیم اصطلاحات میں دو لفظ ہم کو ملتے ہیں، پران اور آتما جن کے معنے مختلف ہیں پران سے مراد قوت حیات ہے جو ہر جاندار شے میں پائی جاتی ہے اور آتما سے مراد ان کی یہ تھی کہ ہر انسان میں "حیات کلی" پائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے حیات کی حقیقت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی، اور نہ اس عہد ترقی میں بھی کوئی فیصلہ کن جواب اس سوال کا دیا جا سکا ہے (کیونکہ مظاہر حیات کا براہ راست مطالعہ ناممکن ہے) تاہم اس مسئلہ پر عقلی گفتگو کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے اور نہ ہونا چاہیے۔

سنٹ آگسٹاین نہ علم الحیات (بیالوجی) سے واقف تھے نہ علم الکیمیا (کیمسٹری) سے لیکن اس نے محض اپنی عقل و فراست سے کام لیکر یہ نظریہ پیش کیا کہ "حیات کا وجود بے جان مادہ سے ہوا ہے"

تولید غیر ارادی کئی صدی کا زمانہ گزرا کہ لوگوں نے "تولید غیر ارادی" (Spontaneous generation) کے نظریہ کو مان لیا تھا۔ اس نظریہ کے مطابق حیات کا بیجان مادہ سے پیدا ہونا تسلیم کیا گیا تھا۔ انجیل میں لاش سے شہد کی مکھیوں کی پیدائش کا ذکر پایا جاتا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ تلسی کے پھول کو کچل کر کسی ظرف میں بند کر دیجئے تو بچھو پیدا ہو جائیں گے، اسی طرح سڑے ہوئے گوشت سے لپٹوں کا پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن اس نظریہ کو پاسٹیور اور ٹنڈال نے غلط ٹھہرا دیا اور اب یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ تولید حیات جراثیم سے ہوتی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتے اور اسی بنا پر علم الجراثیم (بیکٹیریالوجی) وجود میں آیا جس کا مقصود جراثیم کی تحقیق ہے

رہا یہ مسئلہ کہ حیات کا آغاز کب سے ہوا، سو اب تک اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا۔ پالنس ہیمیا کا نظریہ یہ ہے کہ

حیات اتنی ہی قدیم ہے جتنا مادہ، اور آفرینش کی ابتدا ہی سے کرۂ زمین پر کاروبارِ حیات شروع ہو گیا ہے، لیکن کرۂ زمین کی ابتدائی ساخت، آب و ہوا اور درجۂ حرارت کو سامنے رکھ کر یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ اسوقت وہاں حیات کا وجود پایا جاتا ہے، کیونکہ اسوقت نہ آکسیجن پائی جاتی تھی اور نہ سمندر بنے تھے

عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ جس وقت کرۂ زمین ٹھنڈا ہوتے ہوتے اس قابل ہوا ہوگا کہ اس میں حیات کا وجود نشو و نما پائے وہ دفعتہً پیدا ہو گئی ہوگی۔ بعض کہتے ہیں کہ درجۂ حرارت، دباؤ، پانی میں بعض نمکوں کا پایا جانا اور سمندر کے اوپر فضا میں بعض گیسوں کا وجود، یہ سب تخلیق حیات کا باعث ہوئی ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ سرد پانی پر آفتاب کی حرارت و روشنی پڑنے سے زندگی وجود میں آئی، ڈاکٹر اسر ہیڈنگ کہتے ہیں کہ جب کرۂ زمین کی گرم گرم کیچڑ پر پہلا چھینٹا بارش کا ہوا اسوقت زندگی کے آثار پیدا ہوئے اور یہ قطبین کے اولین موسم سرما میں ہوا ہوگا

لارڈ کلون کا اعتقاد ہے کہ کرۂ زمین پر حیات کا باعث شہاب ثاقب ہوئے ہیں، یعنی ہمارے کرہ میں زندگی کے جراثیم دوسرے کروں سے منتقل ہو کر آئے ہیں۔ دنیا کے نہایت مشہور سائنس داں ڈاکٹر کرائل کا بیان ہے کہ زندگی کا وجود برقی قوت کا ممنون ہے۔ امیبا[1] پر ڈاکٹر موصوف نے تجربہ کر کے معلوم کیا کہ ½ وولٹ کے برابر اس میں برقی تغیر ہوتا رہتا ہے۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ انسان کی ہر عضلاتی حرکت سے برقی قوت خارج ہوتی ہے اور جسم انسانی سے ہر وقت برقی رو نکلتی رہتی ہے۔ ایک جانور بجلی کے ذریعہ سے ہلاک کر کے خاک کر دیا گیا، ڈاکٹر مذکور نے اس کے نسیج (Tissues) Brain کی راکھ سے ایسے خلایا پیدا کر لئے جن میں آثارِ حیات کا پتہ چلتا تھا

بہرحال زندگی کا آغاز کسی طرح ہوا ہو، یہ یقینی ہے کہ وہ مادۂ حیات کی نہایت ہی سادہ صورت میں رہا ہوگا۔ عناصر تو جاندار اور بیجان چیزوں میں یکساں ہیں لیکن ایک جاندار جسم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو ابھارتا ہے۔ مطلق حیات کے وجود کے لئے صرف پانی ضروری ہے لیکن زیادہ ترقی یافتہ حیات کے لئے آکسیجن کا پایا جانا بھی لازم ہے۔ کرۂ زمین کی ابتدائی حالت میں آکسیجن کا وجود کہیں نہ پایا جاتا تھا، بعد کو جب درختوں کا نشو و نما یہاں ہوا تو اُن سے آکسیجن پیدا ہوئی جس نے سمندروں کے کھاری پن سے ملکر حیات کی ترقی میں بڑی مدد کی

چونکہ بقاءِ حیات کے لئے ایک قایم درجۂ حرارت کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو طبقات الارض کے اندر انقلابات ہونے کی وجہ سے گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اس لئے انجمادی دور کے بعد پہاڑوں کی تخلیق نے بھی حیات کی ترقی میں بڑی مدد کی ہوگی

خود انجمادی دور میں تو زمین کے برف پوش ہونے کی وجہ سے کسی حیات کا امکان نہ تھا لیکن جب اس انجمادی دور میں پندرہ کروڑ سال کے وقفہ سے آٹھ انقلاب رونما ہوئے اور ہر انقلاب کے وقت کچھ پہاڑ وجود میں آئے کچھ فنا ہوئے، سمندروں نے زمین کے بعض حصوں کو ڈھک لیا اور پھر زمین نے پانی کو پیچھے ہٹا دیا تو اس کشمکش کے ردِ عمل سے تخلیق

---

[1] امیبا (Amoeba) ایک قسم کا خردبینی کیڑا جو ہمیشہ اپنی شکل بدلتا رہتا ہے

حیات میں بہت مدد ملی

زندگی کا اولین ظہور

کرۂ زمین پر سب سے پہلے حیات کا ظہور کس صورت میں ہوا۔ اس کے متعلق مختلف نظریے قائم کئے گئے ہیں۔ بعض ماہرین سائنس کا خیال ہے کہ اول اول اس کا آغاز مادۂ حیات کے قطروں کی صورت میں ہوا جن میں سے اکثر فنا ہو کر چند باقی ماندہ قطروں کی غذا بن گئے

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ جب کیمیاوی مادوں پر فوق البنفسجی شعاع پڑی تو اس سے نباتاتی حیات سب سے پہلے پیدا ہوئی۔ بہرحال صورت جو بھی رہی ہو نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یعنی یہ کہ زندہ سالمے (Molecules) موجود تھے جن میں محرکات خارجی کے ردِ عمل سے نشوونما پانے کی صلاحیت پائی جاتی تھی

نفس کی پیدائش

آغاز حیات کے مسئلہ کو نفس کے وجود نے زیادہ پیچیدہ بنا دیا اور سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا تمام جاندار اشیاء نفس رکھتی ہیں اور یہ کہ نفس و حیات کیا ایک ہی چیز ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہے کہ نفس خود شعور (Self Conscious) صرف انسان میں پایا جاتا ہے اور جانداروں میں تحت شعوری (Sub Conscious) قسم کا نفس پایا جاتا ہے، ایک نوزائیدہ انسانی بچہ بھی نفس رکھتا ہے اور گھریلو جانور بھی۔ چیونٹیوں کی طرف سے جو حرکت عمل ظاہر ہوتی ہے وہ خالص حیات ہی سے تعلق نہیں رکھتی۔ اسی لئے بعض ماہرین سائنس نے دماغی حرکت و عمل اور اُن اعصابی حرکات کو جو برقی رو پیدا کرتے ہیں ایک ہی حیز قرار دیا ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر و بیشتر اعصاب کی حرکت سے برقی رو پیدا ہوتی رہتی ہے اور ضایع ہوتی رہتی ہے، لیکن بعض مثالیں اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً ایل (ایک قسم کی مچھلی بام کی طرح) کہ جو برقی رو اس کے اعصاب کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے اس سے وہ فایدہ بھی اُٹھاتی ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ مادہ کی تبدیلیاں دماغ سے برقی رو پیدا کرتی ہوں اور جاندار اشیاء اس سے فایدہ اُٹھاتی ہوں جس کا ہم نے دوسرا نام نفس (Mind) رکھا ہے

مادۂ حیات

بہرحال زندگی اپنا آغاز مادۂ حیات (Protoplasm) سے کرتی ہے اور یہی اس کے جسمانی وجود کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ایک نیم رقیق سا مادہ ہے، سادہ، بیرنگ لیکن بے انتہا کیمیاوی پیچیدگیاں رکھنے والا۔ یہ ماحول کی بیجان چیزوں سے غذا حاصل کر کے نشوونما پاتا ہے۔ وہ حساس بھی ہے، خارجی حالات سے اس میں ردِ عمل بھی ہوتا ہے، بجلی کی قوت اور روشنی سے متاثر ہوتا ہے اور اعضاء اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا ایک غلاف یا خلیہ (Cell) ہوتا ہے جس میں وہ ٹھہرا رہتا ہے

انسان کا بارآور بیضہ (Ovum) $\frac{1}{125}$ انچ کا قطر رکھتا ہے اور اس خلیہ کے چاروں طرف اور بہت سے خلایا جمع ہو ہو کر مختلف حالتوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں

جسم انسانی میں یہ بیضہ یا خلیہ تین خلایا میں تقسیم ہو جاتا ہے، پہلے میں دماغ، حرام مغز، آنکھ، ناک، کان اور پوست

کی تشکیل ہوتی ہے، دوسرے درمیانی خلیہ سے گردے، اعصاب، ہڈی کا ڈھانچہ اور دورۂ خون کا نظام وجود میں آتا ہے اور تیسرے خلیہ سے جگر اور مختلف غدود پیدا ہوتے ہیں۔ دوران تشکیل میں خلایا اپنی مدور صورت چھوڑ دیتے ہیں اور اعضاء کی ساخت کے لحاظ سے [illegible] بنانا شروع ہوتے ہیں۔ اسی طرح دماغ اور خون کے خلایا میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے

خون کے خلیات دو قسم کے ہیں، سرخ اور سفید، سرخ ذرات خون دوسرے خلیات کو اپنی غذا بنا کر نشوونما پاتے ہیں، سفید ذرات ہمیشہ اپنی مدور صورت میں رہتے ہیں اور تنفس میں مدد دیتے ہیں۔ سرخ ذرات بھی ہڈیوں کے مغز میں پیدا ہوتے ہیں اور جب بیکار ہو جاتے ہیں تو طحال (تلی) میں جا کر فنا ہو جاتے ہیں

دماغ کے خلیات میں عجیب و غریب تغیر ہوتا ہے۔ جسم انسانی کے تمام اعضاء اعصاب کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ان اعصاب کا تعلق دماغ کے خلیات سے ہے

مادۂ تشکیل حیات

الغرض زندگی کا وجود مادہ سے ہوا ہے اور جاندار و بیجان مادہ کی کیمیاوی ترکیب میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی لئے انسانی زندگی غیر فانی خیال کی جاتی ہے اور موت نام ہے صرف حوادث کا

ماہرین فن مادۂ حیات کے بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ اسے اس قابل بنا سکیں گے کہ حیات کا نشوونما اس سے ہو سکے۔ مرنے کے بعد انسان کے بعض حصے زندہ رہتے ہیں، چنانچہ موت کے بعد بالوں اور ناخنوں کا بڑھنا تو مشاہدہ ہی ہے۔ ایک ڈاکٹر نے کتے کا سر کاٹ کر تین دن تک اسے زندہ رکھا، ایک ڈاکٹر موت کے بعد قلب انسانی کو ۳۰ گھنٹے تک زندہ رکھنے میں کامیاب ہوا۔ ایک اور ڈاکٹر نے ایک چوزے کے دل سے خلیات کو علیحدہ کیا اور بیس سال سے یہ اس کے پاس زندہ موجود ہیں، اس کے پاس چوہوں اور انسانوں کے زندہ خلیات بھی محفوظ ہیں، البتہ دماغ کے خلیات کو زندہ رکھنے میں ابتک کامیابی نہیں ہوئی

ڈاکٹر کیرل کا بیان ہے کہ "موت ایک قیمت ہے جو ہم دماغ کے عوض میں ادا کرتے ہیں ورنہ انسان کا گوشت و پوست یقیناً غیر فانی ہے۔ دماغ سخت قاتل و مہلک چیز ہے جو اپنے مقبوضات ہی کو آخر کار فنا کر ڈالتا ہے"

چونکہ بیجان مادہ کیمیاوی طریقہ سے پیدا ہو کر حرکت و عمل میں آنے لگا، اس لئے قدرت کے ساتھ انسان کی جنگ نصف ختم ہو گئی ہے۔ اب رہا دماغ کے خلیات پیدا کر کے نفس انسانی کو وجود میں لانا، سو اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہو سکتا ہے کہ یہی مسئلہ انسانی شکست کا باعث ہو

نگار بک ایجنسی کی چند مطبوعات

تذکرۂ خندۂ گل — ظریف شعراء کا تذکرہ مرتبہ جناب آسی غازی

فلسفۂ مذہب — مذہب کا صحیح فلسفہ مصنفہ مقبول احمد صاحب عہ

فراست التحریر — تحریر سے سیرت مستقبل پر حکم لگانے کا علم مرتبہ یامین صاحب

مثنوی لالہ رُخ — مترجمہ جناب آل احمد صاحب عہ

آنکی بجوی قیمت صرف ہوتی ہے یکجائی حیثیت سے طلب کرنے والے حضرات لاہور میں مع محصول حاصل کر سکتے ہیں۔ منیجر نگار لکھنؤ

جوش کے کلام کی خصوصیات

فرد اور سوسائٹی کا مختلف فیہ مسئلہ آج تک ماہرین عمرانیات کے مابین زیر بحث چلا آتا ہے۔ اگر ایک طرف حامیانِ اجتماعیت فرد کو مکملاً سوسائٹی کا محتاج قرار دیتے ہیں تو اس کے بالکل برخلاف معتقدینِ انفرادیت اس امر کے قایل ہیں کہ سوسائٹی فی الحقیقت کوئی چیز نہیں، صرف افراد کے باعث اس کا قیام و وجود ہے لہٰذا وہ فرد کو اصل قرار دیتے ہیں اور سوسائٹی کو فرع متصور کرتے ہیں۔ امر واقعی کچھ بھی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ چونکہ انسان فطرتاً تمدن پسند واقع ہوا ہے لہٰذا وہ اپنی حیات کے مختلف پہلوؤں کے اتمام کے لئے خواہ مخواہ سوسائٹی کا محتاج ہے

اس ضمن میں شعراء کے متعلق بھی مختلف آراء ہیں یعنی یہ کہ اُن کے رجحانات و ذہنیات سوسائٹی کے ماتحت ہوتے ہیں یا وہ خود اپنے خیالات کی تبلیغ و اشاعت سے سوسائٹی کو متاثر کر لیتے ہیں، عربی شاعری میں ایسے سحر بیان شعراء اور خطباء کی مثالیں بکثرت ملیں گی جن کی صرف ایک جنبشِ لب کی بدولت عظیم الشان قبایل میں مستقل محاربات جاری ہو گئے۔ دو ہم آہنگ قبایل میں اختلاف و افتراق پیدا کر دینا یا بچھڑے ہوئے دو قبیلوں کو رشتۂ موانست میں پیوست کر دینا شعرائے عرب کی شاعری کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ لیکن ہماری شاعری میں فی الحقیقت ایسی مثالیں مفقود ہیں، آزاد و حالی جنھیں اردو کی قومی شاعری کے معلمین اوّل میں شمار کیا جاتا ہے رفتارِ زمانہ کی ہم آہنگی کرتے ہوئے سوسائٹی کے جدید رجحانات کے آئینہ دار تھے نہیں تھا کہ وہ اپنا ذاتی پیغام یا کوئی مخصوص تحریک سوسائٹی کی بہبودی کی خاطر پیش کر کے اس میں کامیاب ہوئے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر، سوسائٹی کے نظام کے حدود کے اندر رہ کر بھی یک گونہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے، خواہ وہ سیاسی انقلاب ہو یا ذہنی، یا مذہبی، یا ادبی،

جوش کو بھی "شاعرِ انقلاب" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے کلام کی انقلابی روح اور اُس کے پیغام پر ہم ایک علٰحدہ مقالہ میں بحث کریں گے۔ سرِ دست ہمارا ارادہ ہے کہ جوش نے لٹریچر اور ادبیات میں جو انقلاب پیدا کیا ہے اُس پر ایک مجمل لیکن اُصولی بحث کرنے کے بعد دیکھیں کہ اس کے شاعرانہ کمالات کیا ہیں۔ لیکن اس امر سے پہلے ہم کو جوش کے نظریۂ شاعری پر ایک نظر ڈال لینا چاہیئے۔

جوش کا نظریۂ شاعری

علمائے فصاحت کا قول ہے کہ شعر وجدانی شے ہے۔ اس کا تعلق انسان کے جذبات و

احساسات ہے۔ اگر کوئی حساس شخص جس کو قدرت نے شعریت کا مادہ بھی ودیعت کیا ہو، اپنے احساسات، جذبات اور کیفیاتِ باطنی کو موزوں کلام کی صورت میں ادا کرے تو اس کو ہم شاعری سے تعبیر کرتے ہیں۔ جوشؔ نے شاعری کی جو تعریف کی ہے وہ بھی فنی اعتبار سے "قولِ فیصل" کا مرتبہ رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

شعر کیا؟ جذبِ دروں کا ایک نقشِ ناتمام! مشتبہ سا اک اشارہ، ایک مبہم سا کلام
ایک صوتِ خستہ و موہوم، سازِ ذوق کی! مرتعش سی ایک آوازِ انتہائے شوق کی!!

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ شاعر اپنی کیفیاتِ باطنی کو الفاظ میں کماحقہٗ ظاہر نہیں کر سکتا۔ اسی لئے جوشؔ نے اسکو "جذبِ دروں کا نقشِ ناتمام" اور "سازِ ذوق کی صوتِ خستہ و موہوم" سے تعبیر کیا۔ لیکن یہ امر مسلّم ہے کہ شاعری احساسات و جذبات کی مصوری کا نام ہے۔ اسی نظریہ کو ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

چھائے رہتے ہیں جو شاعر کے دلِ سرشار پر لوٹ کر آتے ہیں وہ نغمے لبِ گفتار پر

ذرا مختلف الفاظ میں یہی مفہوم ملاحظہ ہو:۔

میں زمیں پر مصحفِ احساس کی تصویر ہوں

غالباً انھیں باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بعض اہلِ فن نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ شعر و شاعری کا تعلق قلبِ[1] انسانی سے ہے اس کو دماغ سے منسوب کرنا حقیقتاً شعر کا خون کر دینا ہے، یا جیسا کہ جوشؔ کہتا ہے:۔

دماغوں پر کھلیں ہم کیا کہ ہم کو وہ سمجھے گا جو دل کا راز داں ہے!

اسی خیال کی مزید تصریح اس طرح کی ہے:۔

کھلتے نہیں ہیں جوشؔ دماغوں پہ دل کے راز بالاتر از رسائیِ نقد و نظر ہیں ہم!

"نقاد" کے متعلق جوشؔ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں بھی اسی نظریہ کی جھلک نظر آتی ہے بعض اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

رحم! اے نقادِ فن، یہ کیا ستم کرتا ہے تو؟ کوئی نوکِ خار سے چھوتا ہے نبضِ رنگ و بو؟
شاعری اور منطقی بحثیں، یہ کیسا اقتحام؟ بُرش مقراض کا دیتا ہے زلفوں کو پیام!!

کیوں اُٹھا ہے جنسِ شاعر کے پرکھنے کے لئے؟
کیا تمہیں سنبل و نسریں ہے چکھنے کے لئے؟

اس کے بعد نہایت جھنجلا کر کہتا ہے:۔

تیری دنیا اور ہے، شاعر کی دنیا اور ہے!!

---

[1] کیا قلب دماغ سے علیحدہ کوئی مؤثر قوتِ احساس رکھتا ہے۔ (اڈیٹر)

اس تمام بحث سے ظاہر ہو گیا کہ جوش کے نزدیک شعر کو حیاتِ قلبی سے تعلق ہے نہ کہ دماغ سے اور محسوساتِ نفس کی ترجمانی ہی کا نام شاعری ہے

شاعر کی خصوصیات

یہاں تک تو صرف نفسِ شاعری سے بحث کی گئی ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاعر کا فریضہ حقیقی کیا ہے؟۔ اس میں کن کن خصوصیات کا جمع ہونا لازمی ہے اور اور اس کا تعلق کن موجودات عالم سے ہے؟ سب سے پہلے ہمیں آخری سوال پر بحث کرنی چاہئے کیونکہ واقعۃً دوسرے سوالوں کا اسی پر دار و مدار ہے

شاعر کی دنیا

جوش کے نزدیک تمام عالم سے شاعر کو براہ راست تعلق حاصل ہے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اکثر مسائل کرتا رہتا ہے۔ بقولِ نظیری :۔

بزیرِ ہر بنِ مو، چشمِ روشنیست مرا
بروشنائیِ ہر ذرہ روزنیست مرا

یا جیسا کہ جوش خود کہتا ہے :۔

رقص کرتا ہے نظامِ دہر میرے ساز پر
کاروانِ روح چلتا ہے مری آواز پر
ناز سے گلشن میں چلتی ہے ہوا میرے لئے
جھوم کر آتی ہے ساون کی گھٹا میرے لئے!
حسن کو بخشے گئے ناز و ادا میرے لئے

شاعر کی تعریف اس طرح کی ہے :۔

راستے کا ذرہ ذرہ جس کو دیتا ہو صدا
"نظم کرتا جا مجھے بھی شاعرِ رنگیں نوا!!"

اکثر بیانیہ اُمور کو استفہامیہ طرز میں ادا کرنے سے ان کا حُسن اور اثر دوبالا ہو جاتا ہے۔ جوش اس نکتہ کو بخوبی سمجھے ہوئے ہیں چنانچہ مذکورۂ صدر بحث پر محاکمہ کرتا ہے :۔

وہ کون منظرِ قدرت ہے آج عالم میں
جو میرے واسطے آغوش وا نہیں کرتا؟

شاعر کے فرائض

اس تمہید کے بعد ہم کو دیکھنا چاہئے کہ جوش کے نظریۂ شاعری کے مطابق ایک شاعر کے کیا کیا فرائض ہیں یورپین مصنفین نے لٹریچر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں حیاتِ انسانی منعکس نظر آتی ہے۔ جوش کو اس نکتہ کا پوری طرح احساس ہے لکھتا ہے :۔

جس کے دفتر میں ہے اُس کے عہد کی ہر ایک بات
موسم و ماحول و رسم و راہ و آئین و حیات
جو ایک ایسا آئینہ ہو سا ہراہِ وقت پر
چہرۂ ہستی کے خال و خد ہوں جس میں جلوہ گر

انسانی جذبات و احساسات مختلف ہوا کرتے ہیں۔ خوشی و مسرت، غم و اندوہ، لذت و کیف کی مختلف صورتیں ہیں اور

ان میں سے ہر ایک کی جزئیات اس قدر کثرت سے جمع کی جاسکتی ہیں کہ شاعری کا میدان بیحد وسیع نظر آتا ہے۔ لیکن سوءِ اتفاق سے ہمارے شعراء نے صرف عشق و محبت کو لیکر اس پر لاتعداد دواوین مرتب کر ڈالے۔ جوش کو اس سے سخت اختلاف ہے۔ شاعر کی تعریف کے ضمن میں اس امر کی جانب بھی اشارہ کر دیا ہے:۔

چند شعبوں ہی میں گم ہونے نہ پائے جسکی ذات — جس کا موضوعِ سخن ہو کُل نظامِ کائنات!

ایک اس سے بھی زیادہ دلچسپ امر ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ہر بشر کی ذہنیت دوسرے بشر سے مختلف ہوتی ہے اسی طرح اس کے جذبات بھی دوسرے بنی نوع انسان سے علٰحدہ ہونا چاہئیں۔ لیکن چونکہ ہماری شاعری کی بنیاد یکسر فارسی کی کورانہ تقلید پر قایم ہے، اس لئے آپ کسی اُردو شاعر کے کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ نہیں اندازہ لگا سکتے کہ اس کے رجحانات اور اس کے معاصرین کے رجحانات میں کیا فرق تھا۔ اس کے نظریے کیا تھے اور اس کی زندگی کن حوادث کے ماتحت بسر ہوئی مگر جوش اس لایعنی تقلید کا قایل نہیں۔ اُس کے نزدیک ایک شاعر کا کلام ایسا ہونا چاہئے کہ:۔

ہر سخن کر جس کے ہر نقطے سے جھلکے اُس کا نام — جس کی سیرت کو مدوّن کر سکے اس کا کلام،

موجودہ متغزلین کے متعلق جوش نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ممکن ہے بعض اصحاب ان کو سُنکر چراغ پا ہوں لیکن ذرا دل پر ہاتھ رکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا اس کے یہ اشعار حرف بہ حرف صحیح نہیں ہیں؟

ان غزلگویوں کا ہے معشوق ایسا نازنیں — نام جس کا دفترِ مردم شماری میں نہیں
یہ فقط رسمی مُقلّد وامق و فرہاد کے — مر رہے ہیں آج تک معشوق پر اجداد کے!
ان کی سیرت ہے انوکھی، ان کی غیرت ہے عجیب — گڑ نہیں جاتے حیا سے یہ اب وجد کے رقیب!!
آج تک غالب ہے ان پر وہ رقیبِ روسیاہ — کر چکا ہے زندگی جو میر و مومن کی تباہ!
پائی ہے ترکے میں ان لوگوں نے ہر لے، ہر صدا — ان کے لب پر بھی وہی ہے جو ولی کے لب پہ تھا،

بالآخر کہتا ہے:۔

سلسلہ ان کے سخن کا دور تک ہوتا نہیں، — کون ہے ان میں جو بالآخر "کُرک" ہوتا نہیں؟
قلب ان کا قطرۂ شبنم تو ہے، چھالا نہیں — کوئی ان میں زندگی کا دیکھنے والا نہیں!!

آخری مصرع سے واضح ہے کہ جوش کیوں ان "نقالوں" کو بنظرِ استخفاف دیکھتا ہے اور شاید انھیں اسباب کی بنا پر مولوی عظمت اللہ خاں مرحوم نے آج سے ۲۰ سال قبل غزل کی موت کا حکم صادر کر دیا تھا

جوش کی شاعری

متذکرۂ بالا بحث سے یہ تو ظاہر ہو گیا ہوگا کہ جوش کے نزدیک ایک شاعر میں کیا کیا صفات لازمی ہیں اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی شاعری کے محاسن کیا ہیں، اس کی خصوصیاتِ کلام کیا ہیں اور وہ ان میں کس حد تک کامیاب ہے

محاکات محاکات کے لغوی معنی ہیں "باہم حکایت کرنا" لیکن اصطلاح شاعری میں اس فن کو محاکات سے تعبیر کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے مناظرِ قدرت، کیفیاتِ باطنی، احساساتِ قلبی اور دوسرے مواقع کی ہو بہو تصویر کھینچ دی جائے۔ بیان کو پڑھتے ہی نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ یہ صفت درحقیقت ضروریات شاعری میں ہے۔ قدرتنے جس شاعر کو اس کا جس قدر وافر حصہ ودیعت کیا ہے اتنی ہی اُس کی شاعری بھی مستحسن و بلند ہے۔ جوش اس میدان میں کس حد تک کامیاب ہے۔

مطابقت بہ اصل تصویر کی خوبی یہ ہے کہ وہ اصل سے بالکل ملتی جلتی ہو، اسی تخصیص کے باعث تصویر میں ایک خاص دلاویزی پیدا ہو جاتی ہے، نظر ڈالتے ہی ایک لطف و سرور کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے شاعری میں بھی یہ امر ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ مثلاً ایک حسینہ خواب نوشیں سے بیدار ہوئی ہے۔ یہ اُس کی کسقدر صحیح تصویر ہے

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل اُلجھا اُلجھا زُلف کا بادل
نازک گردن، پھول سی ہیکل! سُرخ پپوٹے، نیند سے بوجھل!
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا!

چوتھے مصرع کو ملاحظہ کیجئے، پڑھتے ہی ایک خاص کیفیت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:-

نیند کی لہریں، گنگا جمنی، جلد کے نیچے، ہلکی ہلکی،
آنچل ڈھلکا، مسکی ساری ہلکی منہدی، دھندلی بیندی!
یہ کون اُٹھا ہے شرماتا

ذہن میں اس کیفیت کا تصور کیجئے اور پھر ان اشعار سے تطابق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اگر ہم اس حالت کی تصویر بھی دیکھیں تب بھی وہ کیف و انبساط نہیں حاصل ہو سکتا جو ان اشعار کے پڑھنے سے ہوتا ہے۔

ایک نظم کا عنوان ہے "حسنِ بیمار" اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جوش کو فنِ محاکات میں فی الحقیقت مہارت تامہ حاصل ہے۔ بعض اشعار ملاحظہ ہوں:-

انکسارِ حُسن پلکوں کے جھپکنے میں نہاں نیم وا بیمار آنکھوں سے مروّت سی عیاں!
احترامِ عشق کی رو دلنشیں آواز میں ایک پھیکے پن کا سناٹا دیارِ ناز میں!!

اس کے بعد تو بس تصویر کھینچ دی ہے۔ لکھتا ہے:-

چوڑیاں ڈھیلی، دُلائی پر شکن، ماتھے پہ ہات لب پہ خشکی، رُخ پہ سوندھا پن، نظر میں التفات
ہلکی ہلکی جھلکیاں رُخسار پر یوں نور کی جیسے گل پر صبح کاذب کی سہانی روشنی!

استقصائے جزئیات حقیقتاً یہ امر غیر ممکن ہے کہ جب کسی شئے کی تصویر الفاظ کے ذریعہ سے پیش کی جائے تو تمام تفصیلات بیان میں آجائیں۔ ایک کامیاب شاعر کا کام یہ ہے کہ موقعہ و محل کی خصوصیات کا مطالعہ کرکے اہم نکات کو منتخب کرلے اور پھر اُن کو دلآویز پیرایہ میں بیان کردے اور جو خلا رہ گئے ہیں ان کا پُر کرنا قارئین پر چھوڑ دے۔ جوش کو اس فن میں کمال حاصل ہے وہ غیر ضروری واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور صرف ان واقعات کو قلمبند کرتا ہے جو مسئلۂ زیر بحث سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک گاؤں کی لڑکی کا نقشہ یوں پیش کیا ہے :-

غور سے اک طرف جمائے نظر — رکھے رُخسار کو ہتیلی پر
سر پہ آنچل پڑا ہے ساری کا — داہنے ہاتھ میں ہے جس کا سرا
نرم گردن میں خم، کلائی میں بل — ناک میں کیل[1]، آنکھ میں کاجل!
رُخ پہ زلفیں، نگاہ میں بچپن، — جیسی دھیمی پھوار میں گلشن
رُخ پہ موجیں سی زندگانی کی، — جھلکیاں طفلی و جوانی کی،
شمع سی اک جلائے دیتی ہے — خود بخود مسکرائے دیتی ہے!!

دیکھئے شروع میں اس کے سکوت کی طرف اشارہ کرنا ضروری تھا جس سے معلوم ہوجائے کہ وہ کس حالت میں بیٹھی ہے لیکن اسکو اگر صرف اس طرح کہا جاتا کہ "وہ ٹکٹکی باندھے ایک جانب تک رہی تھی" تو ذہنی نقشہ نہیں طیار ہوسکتا تھا لہذا ہمارے شاعر نے مطالعۂ جزئیات کرنے کے بعد ایک خاص پوزیشن کی طرف اشارہ کردیا ہے جس سے کل سماں پیش نظر آجاتا ہے، ساری کا سرا بائیں جانب دوش پر ڈالا جاتا ہے لیکن چونکہ بچی کمسن ہے لہذا ساری کا دامن طویل ہونے کے باعث گردن کے پیچھے سے ہوکر دائیں جانب لٹکتا ہوگا۔ ایک تمیز دار بچی کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کو اپنے داہنے ہاتھ کی گرفت میں رکھے گی، جوش نے صرف اتنا کہدینے سے کہ "داہنے ہاتھ میں ہے جس کا سرا" یہ تمام کیفیت پیش نظر آجاتی ہے

یہ بچی چونکہ ابھی کمسن ہے اس لئے اس کے "حُسنِ معصوم" کی جانب اشارہ کئے ہوئے بغیر یہ بیان نامکمل رہ جاتا۔ چنانچہ گردن کی نزاکت اور ملائم کلائی کا بھی ذکر کردیا۔ پھر خیال آیا کہ اس کی زیبائش و تزئین کا حوالہ دینا بھی ازبس لازمی ہے لیکن یہ کہنا کہ وہ "جھومر، ٹیکا، پائزیب، کنگن وغیرہ زیب تن کئے ہوئے تھی" فی الحقیقت واقعیت سے گریز کرنا ہے۔ یہ تو گاؤں کی ایک نوعمر، غریب اور مفلس لڑکی کا ذکر ہے۔ لہذا کہدیا کہ :- "ناک میں کیل آنکھ میں کاجل"[1]

غرض یہ کہ ہر مقام پر جوش اس نکتہ کو ملحوظ رکھتا ہے کہ ان خصوصیات کا ذکر کردیا جائے جو موضوعِ زیر بحث کا نیچرل مرقع پیش کرسکیں

---

[1] یہ تصویر ناکتخدا لڑکی کی ہے اور شادی سے پہلے کیل کبھی استعمال نہیں کیجاتی، خاصکر گاؤں میں کہ وہاں تو شادی کے بعد بھی اس کا رواج نہیں ہے (اڈیٹر)

انتخاب الفاظ

جوش اس امر کا بھی خاص لحاظ رکھتا ہے کہ کسی شے کا ذکر کرتے وقت محل و موقع کے مطابق الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، غرض ہر ایک کی گفتگو کا ایک خاص انداز ہوتا ہے اس لئے جہاں ان کے مکالمات و گفتگو کو قلمبند کیا جائے وہاں اصل سے سرمو گریز نہیں کرنا چاہئے

شوہر کا پردیس میں چلا جانا اور اُس کی باوفا بیوی کا رو رو کر گھڑیاں کاٹنا خالص ہندوستانی مضمون ہے۔ ہندی شاعری میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ جوش نے اُردو میں اس پر طبع آزمائی کی ہے۔

اے تر و تازہ جسد تو، بن کی! — اے گلابی گھٹاؤ، ساون کی!
جلدی اس دیس سے گزر جاؤ! — واری، اک بوند بھی نہ ٹپکاؤ
یوں نہ پانی پیئے! تان لگا، — جس نگر میں ہیں پی وہیں اُڑ جا
پی کی نگری میں جا کے بھر، جل تھل — میرے سر پہ گرج نہ او بادل!

ہائے کیوں کر نہ اختلاج رہے — پی ہیں پردیس میں براج رہے
سوجھتا ہی نہیں ہے بات کو بات — ڈس رہی ہے نگوڑی کالی رات
گھر اکیلا ہے پڑ رہی ہے پھوار — کیسا مُورکھ ہے، اے سکھی سنسار
سیج سونی ہے اور برستی رات
باؤلی ہو گئی ہے کیا برسات

لیکن اس کے بالکل برخلاف، جب کسی ذی مرتبت شخصیت کی گفتگو رقم کرتا ہے تو طرز بالکل بدل جاتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام فوج شام سے دنیوی نعائم کی وناوت پر موعظہ فرما رہے ہیں یہاں طرز ادا ایک امام کے شایان شان ہے۔ ملاحظہ ہو:—

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار — خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مُردار
ناپاک ہے، بد اصل ہے، کم ظرف ہے، بدکار — مُردار شکم اس کا، تو پشت اس کی ہے بیمار
مبروص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے[1]
ذلت کا یہ لقمہ ہے اسگوں کی یہ غذا ہے

تو فخر سے کہتا ہے جسے عیش و تنعم — وہ خواب کی جنت ہے، وہ فردوس توہم
نالہ ہی کی روداد ہے نغمہ کہ ترنم — ہے مہر فغاں روشنیٔ ماہ تبسم
تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوس بریں ہے
دھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے!

---

[1] مبروص کے داغوں میں عفونت نہیں ہوتی، مجذوم کے داغوں میں ہوتی ہے۔ (ایڈیٹر)

جوش نے جہاں مولانا محمد علی مرحوم سے خطاب کیا ہے وہاں طرزِ ادا حرف بلیغ ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ قایل کو اپنے مخاطب کا پورا پورا احترام ہے اس لئے حرف حرف سے ادب، عقیدت اور خلوص مترشح ہے :-

اے متاعِ بُردۂ ہندوستان و ایشیا — اے کہ تھا ناخن پہ تیرے عقدۂ حق کا مدار!
تیرے آگے لرزہ براندام تھی روحِ فرنگ — اے دلِ ہندوستاں کے عزم تند و اُستوار!!
تجھ سے آتا تھا پسینہ اکسرو اورنگ کو — اے کہ ہمت تھی تری قوت شکن، سُلطاں شکار!

ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے، جس مقام پر کسی کا استخفاف یا تذلیل مقصود ہوتی ہے، جوش وہاں کچھ ایسے مخصوص الفاظ استعمال کرتا ہے کہ اُس کا مقصد واضح ہو جاتا ہے مثلاً "شیخ کی مناجات" میں لکھتا ہے :-

تیرے بندوں میں ہیں جو صاحبِ زر — میرے آگے جُھکا دے اُن کے سر
اپنی مخلوق کو جما، دا ڈر! — میرے تعویذ اور گنڈے پر
دے مرے رُخ کو صولتِ الہام — اور مریدوں کو تحفۂ اوہام
میرے ہر عیب کو ہنر کر دے — میری داڑھی دراز تر کر دے!
حُسن تو خانقاد کا ہے پھول! — عورتوں میں کچھ اور کر مقبول
مقبروں پر جلال برسا دے — میرے عرسوں پہ حال برسا دے
میری پیری میں زور رہنے دے! — چشمِ عالم کو کُور رہنے دے!!

ہیئت و صوتِ الفاظ

اس سے بھی زیادہ پُر لطف بات یہ ہے کہ جس مقام پر وہ کسی خاص حالت کا اظہار کرتا ہے تو اس قسم کے الفاظ لاتا ہے جن سے خود بخود اس حالت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے، کہیں دہشت برستی ہے، کسی جگہ کیفیتِ سرور کا اظہار ہوتا ہے۔ حقیقتاً یہ ایک صنعت ہے جسکو انگریزی میں Onomatopoeia کہتے ہیں۔ بعض مثالیں درج کی جاتی ہیں :-

مست بھوترا گونجتا پھرتا ہے کوہ و دشت میں
کاکلوں میں سے کرن پھولوں کو جھمکاتی ہوئی

کلیوں کا کونپلوں کی چٹکنا وہ بار بار — وہ قہقہوں کی گونج، وہ شیریں پہیلیاں
یہ نشکتے سر جھونکے کاروانِ درکاروان — یہ ہمکتی، چُلبلی موجیں قطار اندر قطار!
قمریاں چہکیں، رسیلے پودے، چلی ٹھنڈی ہوا — جام کھنکے، زر وئے مینا پر بہار آنے لگی،
آتی ہیں ہوائیں سنسناتی، — پودوں کی دھڑک رہی ہے چھاتی،
پھر اس کے بعد تیز ہوئی تان دفعتہً — اللہ رے زور، گونج اُٹھا گنبدِ گہن

انتخاب الفاظ بعض مقامات پر کوئی کیفیت سپردِ قلم کرتے ہوئے پے در پے چند الفاظ ایسے لے آتا ہے کہ اُن کے مجموعی مطالعہ سے اس چیز کا ہو بہو نقشہ نظر کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ مثلاً "بالن" کے متعلق لکھتا ہے:۔

اینڈتی، مڑتی، خود اپنی کمسنی سے کھیلتی — بھاگتی، رکتی، ٹھٹکتی، بال بکھراتی ہوئی
گنگناتی، مسکراتی، لڑکھڑاتی، جھومتی — مثلِ ابر اپنے ہی پر خود پیچ و خم کھاتی ہوئی

محفلِ عیش کا ایک موقع ملاحظہ کیجئے:۔

گائیں، ناچیں، لڑکھڑائیں، گنگنائیں، تال دیں — دلبرانِ شوخ و شیریں، مہوشانِ چست و چاق

ایک دلنشیں آواز کا نقشہ یوں پیش کیا ہے:۔

ناآزمودہ غم کی جبیں چومتی ہوئی، — پیتی ہوئی، لرزتی ہوئی، جھومتی ہوئی،

تشبیہات بعض چیزیں اسقدر غیر معروف ہوتی ہیں کہ جب تک ہم معروف اشیاء کا حوالہ دیکر اُن سے ان کی مشابہت ظاہر نہ کریں، ذہنِ انسانی آسانی سے اُن کی جانب نہیں منتقل ہوتا۔ تشبیہ کا اصل مقصد یہی ہے۔ لیکن بیان میں ندرت، لطافت اور نزاکت پیدا کرنے کے لئے بھی تشبیہات استعمال کی جاتی ہیں اور غالباً جوش نے آخر الذکر مقصد ہی کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ مثلاً پانی میں کسی خوبصورت سایہ کے لرزنے کی اس سے بہتر تشبیہ نہیں پیش کی جا سکتی:۔

یوں قصر کا عکس ہے سرِ آب — ارماں جیسے ہو دل میں بیتاب

ایک جگہ سورج کی کرنوں کی تمازت یوں دکھائی ہے:۔

سر پہ کافر دھوپ جیسے، روح پر عکسِ گناہ — تیز کرنیں جیسے بوڑھے سود خواروں کی نگاہ

لیکن جب انھیں کرنوں کی لطافت و خوشنمائی کا ذکر کرتا ہے تو طرزِ ادا قطعاً تبدیل ہو جاتا ہے:۔

پھوٹتی ہے یوں کرن جیسے کوئی مکسِ عروس — آرہی ہو کھیلتی کنگن سے، شرماتی ہوئی

بعض اور لطیف تشبیہات ملاحظہ ہوں:۔

لب کو یوں جنبش سی ہو نا نطقِ شرم آمیز سے — پنکھڑی جس طرح مڑ جائے ہوائے تیز سے
تیرتا پھرتا ہے یہ بادل کے ٹکڑوں میں ہلال — یا زمرد کا سفینہ درمیانِ جوئبار
یہ کلی پر قطرۂ شبنم میں ہے نورِ قمر — آنکھ کی پتلی میں یا غلطاں ہے عکسِ روئے یار
چھیڑوں میں دیدنی ہے روئے غمگینِ حیات — ابر کے آوارہ ٹکڑوں میں ہو جیسے آفتاب
سرنگوں ہیں پھول سکتے میں ہے بیمانے کا رنگ — اُف یہ نم آلود رخساروں پہ شرمانے کا رنگ
کاکلیں لہرا رہی تھیں روئے عالم تاب پر — سنبلستاں کا تھا گل پر سائباں کل رات کو
نظر آتا تھا گھرایا ہوا یوں چاند بادل میں، — کوئی سہمی ہوئی دوشیزہ شب کو جیسے جنگل میں

شلوکا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سبک ٹہنی پر ہے چمن میں — رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پرچم لہرا رہی ہے
کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی — نہیں، یہ ہیرے کی کیل پہنے پری کوئی مسکرا رہی ہے!

ندرتِ بیان

محاکات کے سلسلہ میں یہ امر بالخصوص قابلِ لحاظ ہے کہ بعض مضمون فی نفسہٖ موثر نہیں ہوتا بلکہ طرزِ ادا سے اس میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ مضمون آفرینی فی الحقیقت قوتِ متخیلہ کا کام ہے۔ قوتِ شعری کا کمال دراصل طرزِ ادا ہی میں مضمر ہوتا ہے۔ شاعر کی خوبی یہی ہے کہ معمولی سے مضمون کو بھی اس طرح ادا کرے کہ لطیف تر معلوم ہو اور سامعین کے دلوں پر اثر کرے۔ جوش نے انتخابِ الفاظ، ان کی تراکیب اور محاورات کی بندش سے بعض مقامات پر بہت دلآویزی پیدا کر دی ہے بعض مثالیں پیش کی جاتی ہیں:—

پتیاں مخمور، کلیاں آنکھ جھپکاتی ہوئی — نرم جاں پودوں کو گویا نیند سی آتی ہوئی

الاماں ٹھنڈی ہوا کے گدگدانے کی ادا — ہر کلی کو آ رہی تھیں ہچکیاں کل رات کو

سرشار جوانی کی وہ بدمست لگاوٹ — لہجے نے چھپالی تو مگا ہونے بتا دی،

وہ کلی چٹکی، وہ برسا رنگ، وہ پھوٹی کرن — ننھے وہ انگڑائی لی دریا نے بہنے کے لئے

آتی ہیں ہوائیں سنسناتی، — پودوں کی دھڑک رہی ہے چھاتی،

کومل ہوئی ڈالیں ہے سرد — افسردہ نہ ہے بلکہ مردہ

گردوں کی جبیں دمک رہی ہے — پودوں کی کمر لچک رہی ہے

پھوٹی ہے کرن جو تلملاتی — شبنم کی دھڑک رہی ہے چھاتی،

چہرہ پھیکا نیند کے مارے — پھیکے پن میں شہد کے دھارے

جو بھی دیکھے جان کو وارے — دھرتی ماتا بوجھ سہارے

یہ کون اٹھا ہے شرماتا

لپٹے منہ سو رہی تھیں کلیاں، صبا نے آ کر جو گدگدایا — سرک گئے ہیں سروں سے آنچل، تمام گلشن مہک رہا ہے!

نفسیات و ذہنیات

فلسفۂ جدیدہ کی دنیا میں نفسیات (Psychology) اور ذہنیات (Psychoanalysis) اپنی اپنی جگہ پر مخصوص علوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر افسانہ نگار ڈرامہ نویس اور آرٹسٹ کے لئے ان کا مطالعہ لابدّ اور ناگزیر ہے۔ کیونکہ فنونِ لطیفہ کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ انسانی جذبات و احساسات میں ایک پسندیدہ ارتعاش پیدا کیا جائے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ ان کی طرف مایل ہو کر لطف اندوز ہو سکیں

لہ "تحلیلِ نفسی" کہئے (ایڈیٹر)

ان اُمور کی تکمیل کے لئے یہ لازم ہے کہ ہر اہلِ فن "واقفِ نفسیات" ہو۔ شاعری چونکہ اصولاً جذباتِ انسانی سے براہ راست تعلق رکھتی ہے لہٰذا ایک شاعر کو فنِ نفسیات سے گہرا تعلق ہے

جوش کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو انسان کی کیفیاتِ نفسی پر کامل عبور حاصل ہے۔ قدم قدم پر اس امر کا احساس ہے کہ انسانی حسیات اور قلبی حوادثات کی صحیح تصویر کیونکر کھینچی جاتی ہے

ایک نظم کا عنوان ہے "پہلی مفارقت"۔ شروع اس طرح کرتا ہے:۔

چاند سے عہدِ وصل کی باتیں ہائے فرقت کی چاندنی راتیں

دوسرا مصرع سنتے ہی سامعین کو تشویش ہونے لگتی ہے کہ دیکھئے اب کیا کہتا ہے؟ اس کے بعد لکھتا ہے:۔

آفتیں جمع ہیں جدائی کی، چاندنی رات ہے جدائی کی
کوئی کافر ہی شب کو سوتا ہے رات بھر دل میں درد ہوتا ہے

اس "شب بیداری" کی مزید تصریح اس طرح کی ہے:۔

اُٹھتی رہتی ہیں بار بار آنکھیں ڈھونڈتی ہیں جمالِ یار آنکھیں
کچھ وہ تکیوں سے آتی ہے خوشبو نیند آتی نہیں کسی پہلو!
چھیڑتا ہے جو کوئی رات کو ساز صاف آتی ہے یار کی آواز
آگ سی پہلوؤں میں جلتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو چلتی ہے

ظاہر ہے کہ جب یہ کیفیت ہوگی تو احباب و اقربا کچھ نہ کچھ تسکین دینے کی کوشش کرتے ہوں گے لیکن اس "تسکین" کا جو اثر ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ جوش لکھتا ہے:۔

بے نتیجہ ہے صبر کی تلقین، بلکہ دیتا ہے جب کوئی تسکین
شعلۂ غم بھڑکنے لگتا ہے، اور بھی دل دھڑکنے لگتا ہے

نظم کا آخری حصہ بھی نفسیاتی نقطۂ نظر سے نہایت اہم اور دلچسپ ہے:۔

اے اودھ کی نسیم عقدہ کشا وہ نہیں تو پیام ہی کہنا
آنکھیں دیدار کو ترستی ہیں بادلوں کی طرح برستی ہیں
اُٹھتی رہتی ہے ہوک سی پیہم ہائے وہ رُخ وہ کاکلِ برہم
ہائے وہ چاندنی، وہ مہتابی مست آنکھوں کی وہ شکر خوابی
برگِ گل پر وہ ماہتاب کی ضو رُخ پہ وہ آبِ شباب کی رو
خال و خد سے عیاں بصد انوار صبحِ صادق کی چاندنی کا نکھار

ہاں تو اے دلنشیں اودھ کی صبا! وہ ملیں تو پیام یہ کہنا
بادلوں کی طرح برستی ہیں آنکھیں دیدار کو ترستی ہیں!
ایک مدت ہوئی نہیں دیکھا ہائے تیرا وہ چاند سا مکھڑا
اس طرح صبح و شام ہوتی ہے دل دھڑکتا ہے آنکھ روتی ہے!
کھائے جاتا ہے کوئی سینے کو آگ لگ جائے ایسے جینے کو

تنگ ہے سانس آنے جانے سے
اب بُلا لے کسی بہانے سے!

ایک بہن کو اپنے حقیقی بھائی سے جو الفت ہوتی ہے، محبت کی دنیا میں اس کا جواب ناپید ہے۔ ہندی شاعری میں "سیتا کی یاد" بس بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اُردو شاعری میں یہ مضمون مفقود نہیں تو کمیاب ضرور ہے، لیکن جوش کے یہاں ایک غمزدہ بہن اپنے پردیسی بھائی سے خطاب کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

میں دیس میں تم وطن سے باہر! اے بھائی، بہن نثار تم پر!!

"اے بھائی! بہن نثار تم پر" یہ مصرع ایک بہن کے جذبات کا حقیقی آئینہ دار ہے۔

نظم کا بقیہ حصّہ بھی سن لیجئے بہن پھر کہتی ہے:-

انگنائی میں ہو رہا ہے غوغا ساون کی ہے رُت، ہوا ہے پُروا
سائے میں گرجتی بدلیوں کے استادہ ہیں دو شریر بچے
اک موج رواں ہے، اک چمن ہے اک خیر سے بھائی، اک بہن ہے
کچھ دیر سے دونوں لڑ رہے ہیں کیا جانئے کیوں جھگڑ رہے ہیں!
میں دیکھ رہی ہوں اور چپ ہوں کس جی سے بھلا فساد کا ٹوں،
اس جنگ کے آئنہ کے اندر بچپن ہے ہمارا جلوہ گستر

کرتے تھے شرارتیں اُدھم بھی
لڑتے تھے اسی طرح سے ہم بھی

ان اشعار کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جوش کی شاعری نفسیاتی نقطۂ نظر سے بھی نہایت اہم پایہ رکھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو فی الحقیقت جذبات و حسیاتِ انسانی کی مختلف کیفیات سے پوری واقفیت حاصل ہے۔ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے صحیح فرمایا ہے کہ "جوش کی شاعری نے ہمیں اس قابل بنا دیا ہے کہ آنکھیں نیچی کئے ہوئے بغیر اپنی شاعری کو دنیا کی ترقی یافتہ شاعری کے مقابلہ میں رکھ سکتے ہیں۔ (نقش و نگار)

تاثیر اور دلنشینی

شعر کی خوبی یہ ہے کہ سنتے ہی سامع کے قلب میں اُتر جائے۔ سننے والا یہ محسوس کرنے لگے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے ہا"۔ تاثیر اور دل نشینی کے لئے روانی، برجستگی اور صداقت ضروری اُمور ہیں۔ جوش کی شاعری کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے حرف حرف میں درد و اثر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے شعر خود کہے دیتا ہے کہ جس دل سے نکل کر آیا ہوں وہ غم و اندوہ کا مسکن ہے۔

کسی شے کی تعبیر حقیقتاً ہمارے زاویۂ نگاہ اور ذوقِ نظر پر منحصر ہے۔ اگر ہماری طبیعت الم پرور ہے تو عمدہ سے عمدہ بات کا اندوہگیں مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ جوش کو "کسی" نے بیلے کی کلیاں تحفتہً بھیجی ہیں۔ اس کی توجیہ ملاحظہ فرمائیے :-

بھیجی ہیں کسی نے بہرِ درماں — بیلے کی چمن فروز کلیاں
کلیوں سے عیاں ہے زردی — یہ روحِ غم اُن میں کس نے بھر دی ؟
گویا ہیں زبانِ حال سے یوں، — اے شاعرِ خوش نصیب و محزوں !
بھیجا ہے چھپا کے ہم کو جس نے — جانے اُسے غم دئے ہیں کس نے
یوں زرد وہ روئے دلنشیں ہے — اک بوند بھی خون کی نہیں ہے !

پھر کلیاں اس غمزدہ، مہجور لڑکی کا پیغام سناتی ہیں، سنئے :-

ہم سے یہ کہا جب کہ کہو ہال — مجھ کو تری یاد نے ڈبویا — مُرجھائی ہوئی کلی ہوں گویا
بھرتی ہوں چھپا کے شب کو آہیں — اُٹھتی نہیں چاند سے نگاہیں
شاما جو سحر کو بولتی ہے — آنکھوں کی گرہ کو کھولتی ہے !
چہرہ سے عیاں ہے دل کی اُلجھن — ڈھیلے ہیں کلائیوں کے کنگن
اللہ یہ کیا ہوا ہے مجھ کو — دیکھو جسے، دیکھتا ہے مجھ کو

آخری مصرع میں جو کیفیت پیش کی ہے وہ اسیرِ غم کے جذبات کا نہایت مکمل نقشہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والی کے قلب پر غم و اندوہ کا ہجوم ہے، وہ نہایت ہی کرب و اضطراب کے عالم میں یہ سب کچھ بیباکی سے کہتی چلی جاتی ہے :-

اب حد سے سوا ہے خستہ حالی — نزدیک ہے وقت پائمالی
آنا ہو تو آ، کہ دل ہے بیتاب — ایسے میں ابھی چمن ہے شاداب[1]
جلد آ، کہ فروغِ رنگ و بو ہو — قبل اس کے کہ خون آرزو ہو !!

---

[1] اسی مفہوم کا ایک شعر شاد عظیم آبادی کا یاد آگیا :-

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے — آجاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم (اڈیٹر)

دیکھئے، دوسرے شعر میں "آنا ہو تو آ!" کہنے کے بعد تیسرے شعر میں "جلد آ!" کی تکرار سے طرزِ ادا میں کتنی بے ساختگی پیدا ہو گئی ہے۔

ہجر و مفارقت کی شکایت کرنا شعراء کی سنتِ دیرینہ ہے۔ جوش نے بھی اس "دفترِ بے پایاں" میں مزید اضافہ کیا ہے لیکن نہایت بامعنی۔ سنئے:۔

تیرے قربان! ارے خواب میں آنے والے
داستاں عہدِ تمنا کی سنانے والے
ہاں، ترے حرفِ شکایت سے پشیماں ہو نہیں
بخشدے، بہرِ خدا جرم کہ انساں ہو نہیں!

اس "جرم" کی آگے چل کر یوں تشریح کی ہے:۔

یہ مگر وہم ہے اے پیکرِ حسن و تنویر
کہ یہ دل اب ہے کسی اور کی زلفوں کا اسیر

مگر فی الحقیقت یہ "وہم" چند حقایق پر مبنی ہے جن کی توجیہ ہمارے شاعر نے کر دی ہے:۔

ہاں، ترے ہجر میں اک شغل نکالا ہو ضرور
شدتِ کاہشِ آلام کو ٹالا ہے ضرور
قاعدہ ہے نہیں ہوتا ہے فلک پر جب ماہ
لطف اٹھاتی ہے چمکتے ہوئے تاروں سے نگاہ
بن ترے جب کسی دم چین نہیں پاتا ہوں
میں بھی یوں ہی دلِ افسردہ کو بہلاتا ہوں

مگر اس کے باوجود وفا کا یہ عالم ہے کہ کہتا ہے:۔

تو جو آزردہ ہے جنبش بھی نہ سہی،
رشک آتا ہے اگر تجھ کو تو یہ بھی نہ سہی!

"غریب الوطن کا پیام" جوش کی مشہور نظم ہے۔ یہ بھی شروع سے آخر تک تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ بعض اشعار ملاحظہ کیجئے:۔

جکڑا ہوا پڑا ہوں زنجیر سے دکن کی
سینے میں آرزو ہے بچھڑے ہوئے وطن کی

پھر گزشتہ واقعات و حوادث کا تصور کر کے ان پر یوں تبصرہ کرتا ہے:۔

کس زندگی کی دھن میں ہم رواں دواں ہیں؟
جو ساتھ کھیلتے تھے وہ لوگ اب کہاں ہیں؟
شاداب تو ہیں میری بچپن کی سیر گاہیں؟
اب ڈھونڈتی ہیں جن کو ترسی ہوئی نگاہیں!
اچھی تو ہیں پروں کو گدگدھن میں جھٹکنے والی
دیوار پر وہ آ کر چڑیاں چہکنے والی
کیا اب بھی جھومتی ہیں کرتی ہوئی اشارے
پتلی سبک بہولیں تالاب کے کنارے؟
بدلی میں گونجتے ہیں آموں کے باغ اب بھی؟
جلتے ہیں جنگلوں میں دھندلے چراغ اب بھی؟

اس کے بعد چاند سے خطاب کرتا ہے کہ:۔

مغموم جھاڑیوں سے میرا سلام کہنا
آنکھوں میں اشک بھر کر پھر یہ پیام کہنا
کیوں میرا سوزِ فرقت تم کو جلا رہا ہے؟
کیوں مضطرب ہو؟ ٹھہرو، وہ دن بھی آ رہا ہے

جس دن دھڑکنے والے دل کو قرار ہوگا ! سائے میں جب تمہارے میرا مزار ہوگا !!

اشعار ذیل بھی تاثیر اور دل نشینی میں لاجواب ہیں :-

بے خبر مجھ کو زمانے سے کیا ہے جس نے کچھ اُسے میری تباہی کی خبر ہے کہ نہیں ؟
کھائے جاتا ہے مجھے درد غریب الوطنی ! دل پہ اُس جانِ وطن کے بھی اثر ہے کہ نہیں ؟

آنکھ کھلتے ہی صبح تیری یاد دل پہ کرتی ہے جانے کیا بیداد
دل مرا غرقِ یاس رہتا ہے شام تک جی اُداس رہتا ہے !

جبیں پر سادگی، نیچی نگاہیں، بات میں نرمی مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے !
وہ اپنے حسن سے محفل میں اپنے عشق سے بزم ! اُس انجمن کو پھر اِس انجمن میں پہونچا دے !
آنکھوں میں اشک، رُخ پہ تمنا، لبوں پہ آہ اب اس ادا سے سامنے آتے نہیں ہو تم !
وہاں جفا ہی جفا رہ گئی ہے مدت سے یہاں جفا پہ وفا کا گمان باقی ہے !
اب خانۂ امید میں ظلمت ہی نور ہے تکلیفِ اہتمامِ چراغاں نہ کیجئے
دم ہی نہیں ہے جوشؔ میں تجدیدِ شوق کا احسان اب یہی ہے کہ احساں نہ کیجئے !
قفلِ بابِ شوق تھیں ماحول کی خاموشیاں دفعتہً کافر پپیہا بول اُٹھا، اب کیا کروں ؟
مرا رفیق نہیں ہے کوئی خدائی میں زمیں جگہ نہیں دیتی تری جدائی میں
شرط پوری ہو چکی، للّٰہ اب تو رحم کر دیکھ کیا تھا جوشؔ اور کیا ہو گیا تیرے لئے !!

شکوۂ روزگار کچھ عجیب اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام باکمال لوگ زمانہ کے شاکی رہے ہیں۔ جوشؔ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کا سخت شاکی ہے، علی الخصوص "فکرِ روزگار" کے باعث غالباً اس کو دلی کوفت ہوئی ہے، لکھتا ہے :-

آہ، اے دورِ فلک تیرا نہیں کچھ اعتبار مٹ کے رہتی ہے ترے جورِ خزاں سے ہر بہار
نوعِ انساں کو نہیں تیری ہوائیں سازگار فکرِ دنیا اور شاعر ہے تلف ہوا سے لیل و نہار !
موج کو ثروتِ ہوا اور تشنہ کامی کے لئے !
خواجگی رختِ سفر باندھے غلامی کے لئے !!

ایک جگہ اپنے خاص انداز میں یہی مضمون یوں بیان کیا ہے :-

ڈالتا ہے بار کوئی شاعرِ درویش پر حُسن کے بکھرے ہوئے ہیں بال میرے دوش پر

پھر شکوہ سنجانہ تصریح اس طرح کی ہے :-

بجلیاں جس نخل پر رقصاں ہوں پل سکتا نہیں — تیری اس دنیا کا بجز سے کام چل سکتا نہیں
میں پرِ دل کو تولتا ہوں آشیانے کو سنبھال — یہ ہے دُنیا اور اپنے کارخانے کو سنبھال

"چراغِ عظمت" کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے وہ بھی انھیں خیالات کی آئینہ دار ہے :-

یہ ہے تیرا ہی چراغ، اے شاعرِ رنگیں صفات — لیکن اس سے فیض اُٹھا سکتی نہیں تیری حیات
اس کو پا سکتا نہیں تو بزمِ عشرت کے لئے — یہ تو ہے ناداں تیری لوحِ تربت کے لئے

ہو گی تیری تیرہ قسمت زندگی جب خواب میں
جگمگائے گا یہ تیری موت کی محراب میں

غم کوشی و ایذا پسندی اُردو شعراء میں جوش کی تخصیص صفت یہ ہے کہ وہ مصائب و آلام سے دل برداشتہ ہو کر مائلِ فریاد نہیں ہوتا۔ اس کو احساس ہے کہ تمام عالم میرے درپے آزار ہے لیکن پھر بھی وہ ایک تبسم آمیز انداز سے ان تکالیف کا خیر مقدم کرتا ہے :-

اُٹھی جاتی ہے دل سے ہیبتِ آلامِ روحانی — جراحت بہرِ قلبِ زار مرہم ہوتی جاتی ہے

اُسے زمانہ کی کلفتوں کا احساس ضرور ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ کہتا ہے :-

مانوس ہو چکا ہوں غمِ روزگار سے — اب ذکرِ آب و رنگِ تمنا نہ کیجئے
سینہ مآلِ ذوقِ طرب سے ہے چاک چاک — اب فتنۂ نشاط کا در، وا نہ کیجئے

ایک دوسری جگہ اسی مضمون کو ذرا مختلف الفاظ میں پیش کیا ہے :-

اب، اے خدا، عنایتِ بیجا سے فایدہ؟ — مانوس ہو چکے ہیں غمِ جاوداں سے ہم

تمام شعراء معشوق کی بے التفاتی کے شاکی و سنج ہیں لیکن جوش کا نظریہ ان سب سے مختلف ہے، وہ کہتا ہے :-

سنتا ہوں دردِ عشق ہے ہر درد کی دوا — آ، اور میرے دردِ جگر کو دوا چند کر

بے نیازی اور مستغنی المزاجی :-

تجدیدِ چاک کی نہیں دامن کو آرزو — اب نقلِ اضطرابِ زلیخا نہ کیجئے
اب خانۂ امیر میں ظلمت ہی نور ہے — تکلیفِ اہتمامِ چراغاں نہ کیجئے
اب دل کو بزمِ ناز کی حسرت نہیں رہی، — اب عذرِ بد مزاجیِ دربان نہ کیجئے

بالآخر کس لاپرواہی کے ساتھ کہتا ہے :-

دم ہی نہیں ہے جوش میں تجدیدِ شوق کا — احسان اب یہی ہے کہ احسان نہ کیجئے

(باقی)

یوسف رضا بدایونی

سیاسیات یورپ

(۸)

اسٹالین

"ریشمی دستانوں کے ساتھ کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا جا سکتا"

(اسٹالین)

انفرادی و شخصی حیثیت سے اسٹالین اسوقت دنیا کا سب سے بڑا طاقتور شخص ہے۔ وہ اور ڈکٹیٹروں سے اقتدار میں پختہ تر ہے، ایک وسیع و عریض قومی حکومت کا متفقہ لیڈر ہے بلکہ ایک ایسی بین الاقوامی اشتراکی تحریک کا مرکز ہے جس کی جڑیں تمام ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں، علاوہ اس کے وہ مسولینی اور ہٹلر سے اس بات میں بھی مختلف ہے کہ وہ ڈکٹیٹروں کی دوسری نسل سے وابستہ ہے یعنی اس نے عنانِ اقتدار لینن سے حاصل کی ہے اور وہ پہلا ڈکٹیٹر سوویٹ حکومت کا نہیں ہے

لینن اس سے خوش نہیں تھا اور اپنے بعد اس کو جانشین نہ کرنا چاہتا تھا، چنانچہ ایک دن اس نے اپنے رفقاء کار سے کہا کہ:—

"اسٹالین بہت سخت و تند خو ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے سکریٹری جنرل کے منصب سے بھی علیحدہ کر دیا جائے اور کوئی دوسرا آدمی مقرر کیا جائے جو زیادہ متحمل، زیادہ وفادار اور زیادہ نرم ہو"

یہ ۱۹۲۴ء کی بات ہے، لیکن اس واقعہ کے گیارہ سال بعد وہی اسٹالین روس کا غیر تاجدار بادشاہ بن جاتا ہے اور ملک کی صحافت و قوم کی گرویدگی کا یہ عالم ہے کہ محبت و عزت کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے اسے یاد نہ کیا جاتا ہو یہاں تک کہ متعدد شہر اسی کے نام سے موسوم کر دئے گئے۔ اسٹالین کے اس عروج کا راز خود اس کی ذاتی صفات میں پنہاں ہے۔ سب سے پہلی چیز تو اس کی صحتِ جسمانی، جفاکشی اور قوتِ برداشت ہے۔ سرچند اس کا قلب بیمار ہے لیکن جسمانی قوت اور محنت کشی کے لحاظ سے وہ ایک بے مثل انسان سمجھا جاتا ہے۔ نہ ہٹلر کی طرح اسکے اعصاب میں

کبھی ہیجان پیدا ہوتا ہے اور نہ مسولینی کی طرح وہ کبھی جذبات سے مغلوب ہوتا ہے وہ جذبات کے لحاظ سے سنگ مرمر کی سختی ہے اور اگر وہ اعصاب رکھتا ہے تو بالکل ایسے ہی جیسے چٹانوں کے ریشے۔

وہ دھن کا اتنا پکا ہے کہ انسان معلوم ہی نہیں ہوتا۔ وہ اتنا سست رفتار معمار ہے کہ اس کے رفقاء بسا اوقات گھبرا اٹھتے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جو عمارت یہ بنا رہا ہے اس کی صورت و ہیئت کیا ہے، وہ ہر بات کو نہایت دور رس نگاہ سے دیکھتا ہے اور جو زاویہ قایم کر لیتا ہے اس سے کبھی نہیں ہٹتا

وہ ہوشیار و چالاک بھی بہت ہے اور اس کا اسے اعتراف ہے، چنانچہ ایک بار جب وہ کسی جاپانی سوار سے ملا تو اس سے کہا کہ "میں بھی تمہاری ہی طرح ایشیا کا باشندہ ہوں"۔ لینن نے اس کے متعلق جو بُرے خیالات ظاہر کئے تھے ان کو دبانے کی اس نے پوری کوشش کی، چنانچہ پانچ لاکھ کا یہ مال، ایک تصویر کی تمام ملک میں شایع کی گئیں، جس میں لینن اور اسٹالین دونوں ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے دوستانہ گفتگو میں مصروف ہیں۔

اسٹالین نے جس ترکیب سے پہلے ٹراٹسکی وغیرہ کی دست چپ کی مخالف پارٹی کو نیچا دکھایا اور پھر بخارین وغیرہ دست راست کے مخالفوں کو وہ نہ صرف اس کے صبر و تحمل کا غیر معمولی کارنامہ ہے بلکہ اسکی ذہانت و ہوشیاری کا بھی۔

جب موقعہ صاف گوئی کا ہوتا ہے تو اس سے زیادہ صاف گو بھی کوئی نہیں اور وہ اپنی غلطیوں کا اس طرح اعتراف کر لیتا ہے کہ اور کسی ڈکٹیٹر کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک آرٹکل میں نہایت صفائی سے اس کا اعتراف کیا کہ روس میں کسانوں کی اجتماعیت نے ضرورت سے زیادہ جلد ترقی کر لی

اس نے اپنی مشہور کتاب (Leninism) میں لکھا ہے کہ:-

"سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایک شخص میں اپنی غلطیوں کے اعتراف اور ان کی جلد از جلد تلافی کی ہمت ہونا چاہئے۔ کامیابی کے نشہ میں ایک شخص نہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے اور نہ انتقاد کو برداشت کر سکتا ہے —— یہ بہت بُری بات ہے"

اس کی یہ کتاب فلسفۂ سیاسیات کی حد درجہ بے لاگ تفسیر ہے اور اس ۸۲۵ صفحات کی کتاب میں سوویٹ حکومت کی بھلائی بُرائی کو نہایت آزادی و صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیا گیا ہے۔

اسٹالین کی ایک اور خصوصیت اس کی نگاہ کی دور رسی ہے۔ وہ ایک معاملہ کی تمام جزئیات کا مطالعہ کرتا ہے اور قومی زندگی کے عناصر کا معمولی سا معمولی پہلو ایسا نہیں ہے جو اس کی نگاہ سے باہر ہو۔ وہ تفصیلات و جزئیات کے مطالعہ کا بڑا شایق ہے اور اس باب میں ہٹلر اور مسولینی اس کے پاسنگ بھی نہیں ہیں

ہٹلر اس ڈاک کو بھی نہیں پڑھتا جو اس کی ذاتی تفریح سے متعلق ہوتی ہے۔ اسٹالین ہر کاغذ کا ایک ایک لفظ پڑھتا ہے اور صبح کو سب سے پہلے وہ تمام ان رپورٹوں کو پڑھتا ہے جو مختلف اقطاع ملک کے حالات پر مشتمل ہوتی

ہیں۔ ڈبلو۔ ایچ چیمبرلین: ہر چند اسٹالین کا خیر خواہ نقاد نہیں ہے لیکن وہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ ملک کے دور دراز حصوں کی بہت سی انتظامی بدعنوانیاں محض اسٹالین کے اس ہوش و گوش کی وجہ سے دور ہوتی رہتی ہیں۔

اس کی تنظیمی قابلیت بھی بڑی زبردست ہے اور اپنے آدمیوں کو اس طرح قابو میں رکھتا ہے جیسے ان پر جادو کر دیا ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں خاص مقناطیسی قوت پائی جاتی ہے کہ ہر شخص اس سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ اس کے بہت سے رفقاء اس سے ناراض ہیں اور عام طور پر سب کو معلوم ہے کہ رشتۂ انسانیت کا احساس تو اس میں بالکل ہی نہیں جاتا لیکن باوجود اس کے سب اسکے وفادار ہیں۔ ہٹلر کے رفقاء ہٹلر کی پرستش کرتے ہیں، مسولینی کے ساتھی مسولینی سے ڈرتے ہیں لیکن اسٹالین کے ساتھی اس کی عزت کرتے ہیں۔

اسٹالین مقرر و خطیب نہیں ہے۔ اس کی تقریریں سادہ اور کاروباری رنگ کی ہوتی ہیں، لیکن بہت تفصیلی اور طویل۔ وہ زیادہ تر سوال و جواب کے انداز سے گفتگو کرنا پسند کرتا ہے اور عوام اس سے بہت مستفید ہوتے ہیں۔

اس کی ذہانت ہر چند سست رفتار ہے لیکن بے نہایت عمیق و مضبوط۔ ۱۹۳۶ء میں جب جاپانیوں کا ایک وفد اس سے ملا تو اس نے کامل چار گھنٹے تک اسٹالین سے مختلف قسم کے سوالات کئے جن میں بعض نہایت مشکل و دقیق تھے، اور اسٹالین نے ان سب کا جواب نہایت متانت و سنجیدگی سے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ملاقات کی رپورٹ (جو ۱۱۸۰۰ الفاظ میں شائع ہوئی ہے) سوویٹ حکومت کے مقاصد پر بہترین مقالہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب اس وفد نے اپنے سوالات ختم کر دئے تو پھر اسٹالین نے آئندہ حکومت کے متعلق دو گھنٹے تک سوالات کئے اور یہ سوالات اتنے دقیق اور پیچیدہ تھے کہ پورا وفد اس خوبی سے ان کا جواب دے سکا جس خوبی سے تنہا اسٹالین نے وفد کے سوالات کے جواب دئے تھے۔ اس چھ گھنٹے کی گفتگو میں نہ کوئی سکریٹری اندر آنے پایا اور نہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسٹالین ہر کام کو کس انہماک کے ساتھ انجام دیتا ہے

اسٹالین جتنا ضابطہ صابر ہے اتنا ہی بیرحم بھی ہے اور اشتراکیت کی راہ میں جو چیز حایل ہوتی ہے اسکو دور کرنے میں وہ ہر ظلم و ستم کو روا رکھتا ہے۔ لیڈی آسٹر نے ایک بار اس سے دریافت کیا کہ "تم کب تک اپنے ملک کے لوگوں کو قتل کرتے رہو گے"، اس نے جواب دیا کہ "جب تک اس کی ضرورت محسوس کی جائے"

جب ۱۹۰۵ء میں انقلاب کی تحریک پلٹ دی گئی، تو انقلابی جماعت کے افراد سراسیمہ و منتشر ہو کر ادھر ادھر چلے گئے لیکن اسٹالین، لینن کی طرح روس کے اندر ہی رہا۔ اس نے خاکروب اور فراش کی حیثیت سے مختلف ہوٹلوں اور لائبریریوں میں بسر کیا اور اس طرح اسے انقلابیوں سے ملنے اور خفیہ سازشوں میں شریک ہونے کا بہت موقعہ ملا۔ جب یہ دور ختم ہوا اور لینن کی جماعت پھر کامیاب ہوئی تو اس نے لینن کی بڑی مدد کی

اسٹالین کوئی خاص عہدہ یا منصب نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ جنوری ۱۹۲۲ء سے وہ مرکزی مجلس عاملہ

کے ۳۰ ممبروں میں سے ایک ممبر ہے۔ اسی جماعت کو سوویٹ حکومت کی پارلیمنٹ کہنا چاہئے۔ وہ اب جنرل سکریٹری نہیں ہے بلکہ پارٹی سکریٹری ہے لیکن اتنا حاوی ہے کہ بغیر اس کی مرضی و اجازت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا

اس کا اصلی نام یوسف ہے اور یہ ۱۸۷۹ء میں بمقام گورا (طفلس) پیدا ہوا۔ اسٹالین نام اس کا لینن نے رکھا تھا جس کے معنے فولاد کے ہیں۔ اس کا باپ جوتا بنانے کا کام کیا کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ یہ بھی اسی پیشہ کو اختیار کرے لیکن اس کی ماں نے نہیں مانا اور اسے مذہبی اسکول میں بھیجدیا جہاں چار سال تک اس نے تعلیم پائی۔ یہ نہایت غریب گھرانے کا لڑکا تھا، اتنا غریب کہ جب اپنے عروج کے زمانہ میں اسٹالین اپنی ماں کو ماسکو لے آیا تو وہ حیران تھی کہ اسٹالین نے کیا ترکیب اختیار کی کہ اب وہ پیٹ بھر روٹی کھا لیتا ہے۔ ایک مہینہ یہاں ٹھہرنے کے بعد وہ طفلس چلی گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔ اہل جارجیا، روسی نہیں ہیں، دونوں کی زبان بھی علٰحدہ ہے۔ چنانچہ اسٹالین روسی زبان بھی اہل جارجیا کے تلفظ میں بولتا ہے۔ جارجیا والے پہاڑی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور کاکاشیا کا خون ان میں ملا ہوا ہے، ان کے نقشے بھی روس والوں سے علٰحدہ ہیں اور اپنی قومی تاریخ الگ رکھتے ہیں

اسٹالین کے میلانِ انقلاب کا ایک سبب تو اس کی غربت تھی اور دوسرا مذہبی مدرسہ کی تعلیم جس نے اسکو پادریوں کے اخلاق کا موقعہ عطا کیا۔ چنانچہ مدرسہ چھوڑتے ہی وہ اُن لوگوں میں شامل ہو گیا جو مارکس کے فلسفۂ انقلاب کے پیرو تھے۔ اس نے ۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۷ء تک پورے اُنیس سال نہایت تکلیف و مصیبت میں بسر کئے۔ محنت مزدوری گرفتاری، قید خانہ، جسمانی سزا اور روحانی کوفت سبھی کا مزا اسے چکھنا پڑا، کیونکہ حکومت اس انقلابی جماعت کی سخت مخالف تھی اور اس کے ممبروں کو کہیں چین سے بیٹھنے نہ دیتی تھی۔ یوں تو ہٹلر اور مسولینی بھی جیل کی زندگی بھگت چکے ہیں، لیکن اسٹالین سے زیادہ وہ اس لذت سے واقف نہیں۔ پانچ مرتبہ زار کی پولیس نے اسے گرفتار کیا اور پانچ ہی مرتبہ یہ جلاوطن کیا گیا، جب ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں یہ آزاد ہوا ہے تو پانچویں مرتبہ قید بھگت رہا تھا۔

انقلابیوں کی دہشت انگیزیوں میں اس نے بڑا حصہ لیا۔ یہ بنکوں پر چھاپے مارتا اور وہاں سے روپیہ لاکر انقلابی تحریک میں صرف کرتا، ایک مرتبہ ۱۹۰۷ء میں بیس آدمیوں کو قتل کر کے پندرہ ہزار پونڈ کے نوٹ حاصل کئے۔ اسکی یہ حرکتیں اس کے بعض رفقاء کو پسند نہ تھیں اسی لئے ایک بار لینن نے اسے تھوڑے عرصہ کے لئے اپنی جماعت سے علٰحدہ کر دیا۔

جیل اور جلاوطنی کے علاوہ جو وقت اسے ملتا تھا اس میں وہ پھر وہی حرکتیں کرتا تھا کہ پھر جیل بھیجدیا جائے یا جلاوطن کر دیا جائے، اس نے ایک بار باکو سے بالشیوک اخبار (Verisma) کے نام سے جارجین زبان میں نکالا اور جہاں جہاں انقلابیوں کے جلسے ہوئے ان میں شریک ہوا۔ اس نے ۱۲ء میں ایک کتاب بھی لکھی، جس کا نام (Socialism & National Question) تھا۔ یہ اس زمانہ میں سوشل ڈیماکریٹک پارٹی کا لیڈر تھا اور (Pravada) اخبار کا اڈیٹر۔ اس کے بعد ۱۳ء میں وہ پھر گرفتار کر کے جلاوطن

کر دیا گیا۔ مگر یہ سارا زمانہ تمہیدی تھا کیونکہ اس کی اصل انقلابی زندگی ۱۹۱۷ء سے شروع ہوتی ہے، کیونکہ اس انقلاب کے بعد ہی روس کی شخصی حکومت ختم ہو گئی تھی اور دوسرے انقلابیوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی نظم حکومت میں ایک ذمہ دار افسر بن گیا

خانہ جنگی کے دوران میں اس نے ٹراٹسکی کی طرح مستعدی نہیں دکھائی تاہم وہ انقلابی عسکری کمیٹی کا ممبر بنا رہا جب ۱۹۲۱ء میں لینن برسر اقتدار ہوا تو جنرل سکریٹری کا عہدہ اس کو دیا گیا

سوویٹ روس میں کم از کم ایک سو مختلف قوموں کا مجموعہ ہے اس لئے ان میں باہم اتفاق و اتحاد رکھنا بہت دشوار تھا اور یہ خدمت اسٹالین کے سپرد تھی، چنانچہ اس نے مشورہ دیا کہ صوبوں کو خود مختاری دیدی جائے اور انھیں ماسکو کی مرکزی حکومت سے وابستہ رکھ کر اسی نظام کا نام U.S.S.R (Soviet Russia) رکھا جائے

اسٹالین اور ٹراٹسکی کے تعلقات ابتدا ہی سے خراب تھے۔ ایک بار اسٹالین نے محاذ جنگ پر بعض ناکارہ افسروں کو گولیوں سے ہلاک کر ڈالا۔ ٹراٹسکی نے جو سب سے بڑا فوجی افسر تھا اسٹالین کو تار بھیجکر جواب طلب کیا، اس نے وہ تار دیکھکر انگیٹھی میں ڈالدیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ ہمیشہ اتنا سخت نہیں رہتا تھا، کبھی کبھی وہ انسان بھی ہو جاتا تھا ایکبار پٹروگراڈ میں وہ کسی فوجی دستہ کا معاینہ کر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اسے سلام نہیں کیا، اس نے وجہ پوچھی تو اس نے پہلے اپنے پھٹے ہوئے بوسیدہ کرمچ کے جوتے کی طرف اشارہ کیا اور پھر اسٹالین کے پاؤں کی طرف۔ اس نے فوراً اپنا جوتا اتار کر اسے دیدیا اور اس کے جنتیھڑے خود اپنے پاؤں میں لپیٹ لئے اور جب تک خود لینن نے اسے مجبور نہیں کیا اس نے وردی کا دوسرا بوٹ استعمال نہیں کیا

لینن جو اپنے بعد اسٹالین ہی کا انتخاب چاہتا تھا، موت سے چار مہینے پہلے اس سے خفا ہو گیا تھا۔ لیکن جب اس کا انتقال ہوا تو عنان حکومت اسی کے ہاتھ آئی اور کامل پانچ سال اس نے تنظیم کے مکمل کرنے میں صرف کر دئے اس میں شک نہیں کہ اس نے اپنے مخالفوں کو نہایت بے رحمی سے ہلاک کیا اور جو شخص اس کے نقطۂ نظر سے غدار ثابت ہوا اس کو زندہ رہنے کی مہلت اس نے نہیں دی، لیکن بغیر اس کے وہ اپنا اقتدار قایم بھی نہ کر سکتا تھا

اسٹالین اور ٹراٹسکی کی مخالفت بہت مشہور ہے، اور ہر چند اسٹالین اس کو ذاتی مخالفت نہیں کہتا، لیکن فی الحقیقت تھی وہ ذاتی ہی، کیونکہ ان دونوں کے طبایع میں زمین آسمان کا فرق تھا، اسٹالین کہا کرتا تھا کہ ٹراٹسکی ارسٹاکریٹ (یعنی طبقۂ امرار کا رکن) ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے دماغ اور اسٹایل کے لحاظ سے واقعی ایسا تھا۔ ٹراٹسکی کہا کرتا کہ اسٹالین وحشی ہے، مکار ہے اور سچ پوچھئے تو اس کا یہ کہنا غلط نہ تھا۔ الغرض ان دونوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ اسٹالین ایک پرجوش سیاسی انسان ہے اور اجتماعی رائے کا پابند، لیکن ٹراٹسکی زیادہ تر انفرادیت کا قایل تھا

اسٹالین بے انتہا متحمل و سنجیدہ انسان ہے اور ٹراٹسکی کے جوش میں شگفتہ مزاجی کا عنصر قوی تھا، وہ حد درجہ خاموش و محتاط ہے اور یہ زندہ دل آزاد مزاج، اس میں حسن و نظم کی بڑی زبردست اہلیت ہے اور ٹراٹسکی میں یہ بات نہ تھی۔ ان دونوں کی مسکراہٹ کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اسٹالین کے تبسم میں ایک شیر کی سی ہیبت ہے اور ٹراٹسکی ایک بچے کی طرح مسکراتا ہے

علاوہ طبیعتوں کے اختلاف کے دونوں کی سیاسی رائیں بھی جدا تھیں۔ ٹراٹسکی ایک مستقل عالمگیر انقلاب کا قایل تھا، وہ اسٹالین کی طرح اس بات کا قایل نہ تھا کہ سوشلزم کو صرف روس کے اندر ہی کامیاب ہونا چاہئے۔ وہ یقین کرتا تھا کہ روس میں مارکس کا نظریۂ انقلاب اسی وقت قایم رہ سکتا ہے جب روس سے باہر بھی انقلاب مستقل طور پر پیدا کیا جائے

لینن کی وفات کے بعد ٹراٹسکی نے کہا کہ سوویٹ حکومت میں اشتراکیت کی ترقی رک گئی ہے اور لینن نے جو عارضی رعایتیں سرمایہ دار قوتوں کے لئے جایز رکھی تھیں وہ پایدار ہوتی جارہی ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ روس سے باہر کی دنیا میں بھی اشتراکیت پھیلائی جائے۔ اسٹالین اس رائے کا مخالف تھا وہ کہتا تھا کہ ہمیں سب سے پہلے روس کو سنبھالنا چاہئے اس کے بعد باہر کی دنیا ہے اور اس کی رائے کی صحت کا اندازہ روس کی پنج سالہ اسکیم سے ہوگیا ٹراٹسکی کے خارج البلد کئے جانے سے قبل کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسٹالین کی یہ اسکیم اسقدر کامیاب ہوگی

روسی حکومت کے دائیں اور بائیں پہلو دونوں اسٹالین کے مخالف تھے۔ داہنا پہلو یہ کہتا تھا کہ اشتراکیت ضرورت سے زیادہ جلد بڑھتی جارہی ہے اور بایاں پہلو اس کی سست رفتاری کا شاکی تھا، اسٹالین نے اپنی چالوں سے ان دونوں کا زور توڑ دیا اور تمام مخالفین کو نکال باہر کیا۔ ہر چند اس نے ٹراٹسکی کی مخالفت اس حد تک کی کہ دفتروں کے رکارڈ اور اسکول کی کتابوں تک سے اس کا نام خارج کردیا تاکہ جو نسلیں آنے والی ہیں وہ اس سے بالکل ناواقف رہیں، لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس نے ٹراٹسکی کے بنائے ہوئے پروگرام سے فایدہ ضرور اٹھایا۔

ٹراٹسکی نے ۱۹۲۱ء ہی میں صنعتی ترقی کی پنج سالہ اسکیم تجویز کی تھی اور سوچا تھا کہ ۱۹۲۵ء میں سرمایہ دار کاشتکاروں کا قلع قمع کردے گا۔ اسٹالین نے بھی اسی پر عمل کیا لیکن پانچ سال بعد یعنی فرق یہ ہوا کہ ٹراٹسکی اس اسکیم کا نفاذ قبل از وقت چاہتا تھا اور اسٹالین صحیح وقت کا انتظار کر رہا تھا

۱۹۳۲ء کا قحط سوویٹ حکومت کے زمانہ کا خاص واقعہ ہے جس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں۔ پنج سالہ اسکیم میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ ملک کی تمام کاشت کو اجتماعی ملکیت قرار دیا جائے۔ اس وقت تقریباً ڈھائی کروڑ پٹوں میں وہاں کی زمین منقسم تھی حکومت نے چاہا کہ ان سب کو اجتماعی ملکیت قرار دیکر تمام کسانوں کو برابر کا شریک بنادیا جائے اس کی تدبیر یہ سوچی گئی کہ تمام کاشتکار اپنے آلات کشاورزی اور مویشی فارم منیجر کے حوالہ کردیں اور ٹریکٹروں کی مدد سے

سب ملکر اجتماعی حیثیت سے کاشت کا کام کریں، لیکن کسانوں میں اس سے سخت برہمی پھیل گئی اور انھوں نے غصہ میں آکر اپنے مویشیوں کو ہلاک کرنا شروع کر دیا اور تقریباً نصف مویشی روس کے فنا ہو گئے، چنانچہ سرکاری رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں کی تعداد بجائے تین کروڑ پینتیس لاکھ کے ۱۹۳۲ء میں صرف ایک کروڑ ۹۶ لاکھ رہ گئی، مویشی سات کروڑ سے چار کروڑ رہ گئے اور بھیڑ بکریاں چودہ کروڑ سے پانچ کروڑ رہ گئیں۔ اسی کے ساتھ انھوں نے صرف اتنی کاشت کی جتنی ان کو اپنے لئے درکار تھی اور باقی زمین یونہی چھوڑ دی۔ اسٹالین نے کسانوں کی یہ بغاوت دیکھ کر سوچا کہ ان باغیوں کی سزا یہی ہے کہ ان سے زمین کا ٹیکس بدستور پورا وصول کیا جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا ملک فاقہ میں مبتلا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ اسٹالین نے سرمایہ دار کاشتکاروں کو فنا کرنا شروع کیا یہاں تک کہ روس کی زمین ان کے وجود سے پاک ہو گئی۔ کسانوں نے سوویٹ حکومت کو ختم ہی کر دیا تھا اگر اسٹالین کے علاوہ کوئی دوسرا یہاں کا ڈکٹیٹر ہوتا۔ کسانوں نے اپنے مویشیوں کو ہلاک کیا اور اسٹالین نے انھیں ہلاک کر کر کے اس کا انتقام لیا

اسٹالین انسان ہونے کی حیثیت سے بجز انہیں ہے اور نہ اپنے ذوق کے لحاظ سے پست ہے۔ اس کا مطالعہ تاریخ و فلسفہ کا بہت گہرا ہے اور وہ دنیا کے واقعات سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔ اس کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور وہ نمود و نمائش کو بالکل پسند نہیں، لیکن جب کوئی تقریر کرتا ہے تو اس سے اس کا عزم و ثبات پوری طرح ظاہر ہوتا ہے۔

وہ جب ماسکو میں ہوتا ہے تو کرملین میں رہتا ہے جو چالیس پچاس عمارتوں کا ایک احاطہ ہے ورنہ زیادہ تر وہ باکو سے باہر ہی رہتا ہے۔ ہٹلر اور مسولینی کی طرح وہ محافظ دستوں سے گھرا ہوا نہیں رہتا۔ بسا اوقات وہ پاپیادہ چل کھڑا ہوتا ہے اور کوئی محافظ اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ وہ کتابوں کے مطالعہ کا بہت شایق ہے اور کبھی کبھی شطرنج بھی کھیلتا ہے، گاہے رقص و سرود کی صحبتوں میں بھی شریک رہتا ہے۔ وہ پائپ بہت پیتا ہے اور برانڈی کا بھی شایق ہے۔

اس نے دو مرتبہ شادی کی۔ پہلی بیوی ۱۹۰۷ء میں مر گئی۔ اس سے ایک لڑکا ہے جس کی عمر اب ۲۶ سال کی ہے لیکن بالکل مجہول و ناکارہ ہے۔ ۱۹۱۹ء میں وہ اپنے ایک رفیق سے ملنے گیا جو قفل سازی کا پیشہ کرتا تھا وہاں اس کی لڑکی سے ملا اور اسی وقت شادی کا پیام دیدیا، اس سے دو بچے پیدا ہوئے ایک لڑکا جو اب ۱۵ سال کا ہے اور دوسری لڑکی دس سال کی ہے۔ یہ بیوی بھی ۱۹۳۲ء میں انتقال کر گئی

اسٹالین کی تنخواہ ایک ہزار روبل ماہوار ہے جس کی قیمت ۱۹۳۶ء میں ۶ پونڈ پندرہ شلنگ یا ۹۰ روپیہ ہوتی ہے اسے روپیہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمام سوویٹ افسروں کی طرح وہ بھی نہایت سادہ غربت کی زندگی بسر کرتا ہے۔ پہلے یہ دستور تھا کہ ۲۲۵ روبل ماہوار سے زیادہ تنخواہ کسی کو نہ مل سکتی تھی۔ لیکن اب مرتبہ کے لحاظ سے مقرر ہوتی ہے اور

اس کا اوسط ۶۰۰ روبل پڑتا ہے۔

وہ کسی مذہب کا پابند نہیں ہے اور اس کا مذہب اشتراکیت ہے۔ وہ کوئی خطاب نہیں رکھتا اور اپنے رفقاء سے وہ انتہائی بے تکلفی سے ملتا ہے

روس کی خارجہ پالیسی

روس کی خارجہ پالیسی صرف ایک لفظ سے ظاہر کی جا سکتی ہے۔ یعنی امن و سکون۔ وہ سولہ سال سے اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ دنیا میں اب جنگ نہ ہونے پائے کیونکہ اشتراکیت کی ترقی بغیر امن و سکون کے ممکن نہیں

سوویٹ حکومت کے دو بڑے دشمن ہیں، جرمن اور جاپان اور وہ انھیں کے خطروں سے محفوظ رہنا چاہتی ہے۔ سوویٹ حکومت لڑائی سے اتنا بچنا چاہتی ہے کہ جاپان کو خوش کرنے کے لئے اس نے منچوریا کی ریلوے چوتھائی قیمت سے کم میں اس کے ہاتھ فروخت کر دی اور ہر چند وہ جاپان کے توڑ میں امریکہ سے ملا رہنا زیادہ پسند کرتی ہے، لیکن اتنی نہیں کہ جاپان اس کو مخالف سمجھنے لگے

جرمنی کی طرف سے وہ بہت زیادہ فکرمند رہتی ہے، کیونکہ روس اور جرمنی کے درمیان پولینڈ کی حکومت فی الحقیقت جرمنی کی حلیف ہے اور اسی لئے روس یہ چاہتا ہے کہ اس کے اور جرمنی کے درمیان جو چھوٹی چھوٹی حکومتیں حایل ہیں (خصوصیت کے ساتھ لتھونیا) ان کی آزادی قایم رہے۔

اس سے قبل عرصہ تک روس اور جرمنی میں اتحاد رہا ہے لیکن ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کے اقتدار سے یہ اتحاد ختم ہو گیا کیونکہ ہٹلر روس اور اس کی اشتراکی تحریک کا سخت مخالف ہے۔ روس نے مجبوراً فرانس اور زیکوسلاویکیا سے عسکری اتحاد قایم کیا جس سے منصود یہ تھا کہ جرمنی کے چاروں طرف اسلحہ کا حصار قایم کر دیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر جرمنی نے کسی وقت فرانس پر حملہ کیا تو کیا روس اس کی مدد کر سکے گا؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں دیا جائے گا کیونکہ دونوں کی سرحدیں متصل نہیں ہیں البتہ پراگوے (پایۂ تخت زیکوسلاویکیا) کو ہوائی جہازوں کا مرکز بنا کر ضرور برلن پر حملہ کیا جا سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہٹلر، زیکوسلاویکیا پر اپنے دانت جمائے ہوئے ہے تاکہ کسی طرح فرانس اور روس کے اتحاد کی اہمیت کو دور کر دیا جائے۔ لیکن ان تمام معاملات پر سب سے زیادہ اثر برطانیہ کی پالیسی کا پڑتا ہے۔ اگر وہ جرمن کی طرف جھک جائے تو پھر روس و فرانس کا اتحاد بیکار ہو جاتا ہے اور اگر روس کی طرف مایل ہو جائے تو جرمن کی تمام امیدیں وسط یوروپ میں پھیلنے کی خواب و خیال ہو جاتی ہیں۔ اور اسی توازن کو قایم رکھنے کی فکر میں برطانیہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکا کہ اسے کیا کرنا ہے اور شاید عافیت اسی میں ہے کہ وہ اس فیصلہ کو ملتوی رکھے۔ لیکن کب تک؟ اگر جرمن نے زیکوسلاویکیا کے خلاف کوئی عسکری کارروائی شروع کی تو برطانیہ کو یہ دوستی پالیسی ترک کرنا پڑے گی اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہٹلر کے مقابلہ میں فرانس ہی کو ترجیح دے گا۔

انتخاب کلام نسبتی تھانیسری

(۳)

مولوی فضل حسین صاحب تبسم گزشتہ دو اشاعتوں میں کلام نسبتی پر نہایت محنت و کاوش سے تبصرہ فرما چکے ہیں، اور اب انتخاب کلام پیش کیا جاتا ہے، جس کا حق میں نے اُن سے حاصل کر لیا ہے

تبسم صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے انتہائی محبت و خلوص سے کام لیکر کلیات نسبتی کا مخطوطہ میرے پاس بھیجدیا اور مجھے انتخاب کا موقعہ دیا۔ یہ نسخہ مکمل تو یقیناً نہیں ہے، لیکن اس سے زیادہ مکمل شاید کہیں مل بھی نہیں سکتا اور ملک کو تبسم صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کی وساطت سے ایک خوش فکر شاعر کا مسودہ کلام ہاتھ آگیا

نسبتی کی شاعری کے متعلق تبسم صاحب کافی لکھ چکے ہیں اس لئے اب اس میں کسی اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی

نیاز

نے رادو نہ رسم ست و نہ توفیق نہ یارا ۔۔۔ رہ گم شد گانیم چہ جوئیم خدارا

گلہ امروز تا بہ حال مکن ،، ۔۔۔ نسبتی خیر می شود فردا

بدنامئ تبازہ برانگیخت است گردد ، ۔۔۔ دامنے دگرفتادہ ہمانا ز بام ما ،،

بگزار تا دمے ز شکایت تہی کنم ، ۔۔۔ در سینہ می خلد گلۂ ناتمام ما

زلف یکجا بند یکجا دام یکجا عقدہ است ۔۔۔ اندک اندک کردہ ام ایں قصۂ بسیار را

صد گرہ از کار ہر گبر و مسلماں وا شود ۔۔۔ نسبتی گر وا کند یک رشتۂ زنار را

نگاہے چند باید کرد تا فارغ کند مارا ۔۔۔ یکے جاں می برد از ما یکے دل را یکے دیں را

تو ایجاں در نمی آئی ، دل از جا در نمی آید ۔۔۔ کسے تا چند بر پا دارد ایں آرام و تمکیں را

اے مرغِ چمن نالۂ و زارِ تو جگر سوخت ۔۔۔ از نسبتی آموختہ ای طرزِ نوا را

نے وعدۂ امید تو خود گو جواب چیست — پرسند گر ز ما سبب انتظار ما
در ائے عشوہ و ناز و خرام و رعنائی، — دگر ہزار بلا ہم ہمیست بالا را
اے آنکہ بیگانہ روی از کنار ما، — آگاہ نیستی مگر از انتظار ما
کس نداند کہ کجا حسن تو یکجا کردہ — اینہمہ خوبی و زیبائی و رعنائی را
اشک ریزاں میروم در وادی آوارگی، — تا کجا خواہم فشرد ایں دامن نمناک را
برہم زدہ کار میروی لیک، — کار ست ہنوز با تو ما را
ما از دل و از کام دل خویش گذشتیم — امروز اجابت نتواں داشت دعا را
بزم جم آخر شد و وقت صبوح ما رسید — طرح دیگری می تواں انداخت دور جام را
نسبتی اندر دل بے رحم او تاثیر نیست — نالہائے صبحگاہ و گریہ ہائے شام را
نہ با تو رفتم و نے بے تو در غمت مردم — یکے ز دست نیامد ازیں دو کار مرا
دل گرفتار و یار بے پروا، — ایں ہماں کوچہ من ہماں رسوا
دل و صد آرزوے خام بہ دل، — یار و چندیں فریب و من تنہا
خوباں بردید از دل ما ہا؛ — آساں بکنند مشکل ما
موقوف بہ خنجر و گریبان شد — آسایش نیم بسمل ما،
رفتیم ز کوئے یار اینک — در دامن ماست حاصل ما
اے بادشہِ بتاں خدا را — در بزم طلب کن ایں گدا را،
در نسخۂ نسبتی ست یک نام — عنقا و وفا و کیمیا را
قرباں شوم ابروِ بتاں را، — زورِ دگرست ایں کماں را
چشمم خراب آنرو دل مبتلائے زلفش، — عیسیٰ بدیں عیسیٰ، موسیٰ بدیں موسیٰ
چارہ نتواں کرد درد کہنہ و دیرینہ را — دست بر دل می نہادم پارہ کردم سینہ را
در دلِ سنگین آں بے رحم تاثیرے نکرد — نسبتی بر گریۂ خود خندہ می آید مرا
باز می جویم دلِ افسردہ را — آں دل و آں خاطر آزردہ را
تو آنہا کردۂ اے شوخ با ما — کہ نے مومن کند با کس نہ ترسا
میکنم سخت یاد او امروز — غالباً یاد کردہ است مرا
پیش ازیں بودہ است حال خوشے — نالہ و اشک و آہ بود مرا

مردیم و بود در دل حرفے کہ با تو گویم — در خاک رفت با ما راز نہانی ما

داشتم زیں پیش با خود اندکے دیوانگی — عقل ناداں نسبتی دیوانہ تر کردہ مرا

نمود وعدۂ قتلم دو چشم او لیکن — چہ اعتماد تواں کرد قولِ مستاں را

ہر طبیبے کہ بیاید بسرم بہرِ علاج — او جدا گریہ نماید منِ بیمار جدا

بجرش از آب می برآرد دود، — وصلش از شعلہ می چکاند آب

حال می پرسی و ما را گفتگو ہا کم شدست — بسکہ بر ہم خوردہ دلہا آرزو ہا کم شدست

مے باقی و ماہتاب باقی ست، — ما را تو صد حساب باقی ست

سرِ من گر بودت ورنہ بود رنجش نیست — چہ تواں کرد مرا با تو سرے افتادست

بر نسبتی امروز عجب حال غریب ست — چوں گردش ایام نہ آرام فتادست

در وصل عیش می کشد و در فراق غم — مانند شعلہ حسن ترا پشت و رویکے ست

ابروش از عقدہ و پیشانیش از چیں تہی — نسبتی امروز وقت التماس حاجت ست

بر خاک تو آمدہ ست جاناں — برخیز کہ وقت جانفشانی ست

خرمن دل را ہماں شمع وفا باید نہ برق — خاطر پروانہ از ہر آتشے خرسند نیست

دل باختۂ بہر نگاہ تو نشست است — رہ گم شدۂ بر سر راہِ تو نشست است

نالہ بسیار و آہ بسیار است — دردرا دستگاہ بسیار است

یک نظر غفلت از رخ تو مباد — اندکے ہم گناہ بسیار است

در ہر کہ بنگرد غلط یار میخورد — چشم خطا نظارہ ندانم چہ دیدہ است

داغے شدست لالہ و زخمے شدست گل — ایں ماجرا بہ مرغ چمن می تواں نشست

نشگفتہ گلے اگر بہ بینی — گل نیست دل ست آنکہ دانیست

از روز و شب نسبتی احوال چہ پرسی، — ہر صبح گرفتار تو، ہر شام اسیرست

عمر در کوئے انتظار گزشت — عمر بگزشت و روزگار گزشت

زخمہا دارد تفاوت درمیاں — ورنہ خار و نشتر و مژگاں یکے ست

ما نسبتی از بزم طرب بخت نداریم — تہمت بہ خم و بادہ و ساغر نتواں بست

بر رخش کج نشستہ و ترکانہ می رود — بیدرد را کہ میچ غم داد خواہ نیست

بیگانگیم عجب مدارید — دیوانہ بہ خویش آشنا نیست

بس کن اے واعظ در آغاز نصیحت لب ببند — نسبتی پایان این افسانہ می داند کہ چیست
ز جام جم چہ می پرسی حکایت — ترا امشب کہ خونِ دل بہ جام ست
نسبتی یک جرم را صد عذر گفت — گرچہ تقصیرے کہ می باید نداشت
پیوند دل از ہمہ بریدیم — دیرست کہ خاطرم بجانیست
گرد از سر کوئے یار برخاست — آہے ز دم و غبار برخاست
گل ہمہ گوش ست لیکن صوت بلبل نارساست — نالہا کوتاہ افتادست جرم گوش نیست
از خون دلم شیشۂ مے زہر بکام ست — بر حوصلۂ جام جم این بادہ حرام ست
در رہِ بادہ نشستیم ہمہ — چہ تواں کرد کہ بوئے تو خوش ست
بہار رفت و ز دیوانگی نہ دانستم — کدام باغ و کدا ایں چمن کدام گل ست
بگذر تو نسبتی ز جفائے کہ بر تو رفت — آں شوخ ہم ز تندی آں خو گذشتہ است
سخت میترسم کہ من بسیار میخواہم ترا — آرزو خوبست اما اینقدر ہا خوب نیست
ہمہ جا از تو گفتگوئے ہست — نیست جائیکہ ما جرار تو نیست
داد جاں نسبتی و دید ترا — گفت دیدست رو کما تو نیست
بادہ ہر چند بود تلخ نہ تلخیش بداست — یار ہر چند کہ بدخوئے بود بدخو نیست
دی خام بود داغِ دل امروز پختہ شد — فردا امید دعدۂ یک سوزِ دیگرست
غمت رفتہ رفتہ بدل خو گرفت — دلم سوختہ سوختہ بو گرفت
تو گفتۂ کہ بیا نسبتی و حیرانم — ز بیدلان تو بسیار کس باین نام است
آمد آں تیر نگہ از سینہ ام پران گزشت — ایک اندر گوشۂ دل لوک مژگانے شکست
جذبِ نگاہِ اوئے دل بردنِ منست — این برق را معاملہ با خرمنِ منست
باغ را دستگاہ رو تو نیست — گل بسامان رنگ و بوئے تو نیست
مارا کم و بیش از غم عشقت خبرے ہست — گر زخم دلے نیست خراشِ جگرے ہست
منکہ ز نیساں فتادہ ام بدرت — کس چہ داند مرا چہ افتاد است
تا گنج خرابۂ کہ باشی — بہر تو ہزار دل خرابست
حسن را نبود تفاوت چہ بکنعاں چہ بمصر — میرود ہر جا کہ یوسف گرمیٔ بازار ہست
داستانِ دگراں رفت زیاد — قصۂ ما دتو افسانہ شدہ است

قامتش سخت دلکش افتاده است — ورنه قد بلند بسیار است

بآب داد مرا سیل گریهٔ شادی — شب وصال گوئید روز طوفان است

بشهر ما نبود نسبتی کسے خوشدل — بخندد یا لبِ زخم است و یا لبِ چاکست

شمع روشن کن که تار و شن شود احوالها — در تہ بال و پر پروانه چندین دفتر است

خاموش گشتهٔ تو و لے گفتگو بجاست — چندین حدیث بالبِ خاموش رفته است

به نیم گام جدائی نبوده ام راضی — کنون میان من و دل هزار فرسنگ است

نیست ویران دلِ خراب امروز — تا بنا کرده ام خراب شدست

رفت جانان و کسے از حال ما آگاه نیست — کس چه داند غیر دل آنها که بر جان رفته است

عذر ستم ترا رسد و بر خلاف آں — تو میکنی جفا و دلم عذر خواه تست

میروی میبری ز راه مرا — اینچه راه است اینچه رفتار است

می نماید از شگاف سینه اش لخت جگر — خلق گوید نسبتی گل در گریبان کرده است

نسبتی هر چه در دل است ز تو — بر زبان آید و ادا نشود

حال پروانه که در شب سوخت — شمع خاموش را تواں پرسید

چون برگ خزاں باد بویرانه رساند — مکتوب کر دیوانه بدیوانه نویسد

رسیدن ہماں دل سپردن ہماں — نه من دیر کردم نه او دیر کرد

نسبتی گریه نیاز مکن، — باش تا خندهٔ نباز کند

خواه مومن خواه ملحد خواه کافر خواه گبر — نسبتی را هر چه میگوئیم قائل میشود

بسیار غنچه گل شد و بسیار دل شگفت — دلتنگ را خبر ز شگفتن نمی شود

هر گلے را که داغ بر دل نیست — لاله نو بهار ما نشود

سبکبار تمنا میتواں شد — ببوئے گل تسلی میتواں شد

درد دل تا با تو گویم دیده پر خوں میشود — راز بیروں میتراود جامه گلگوں میشود

دل را بتو سپردم و شادم دگر چه ماند — چیزیکه داشتم بتو دادم دگر چه ماند

عرقے کز جبینِ ناز چکد — در گریبانِ آفتاب کمید

رود هر چه رود هر ز آنرو — نسبتی رو بیار خواهد کرد

از کوئے تو ہر کجا رود کس — شرمندہ رود خجل نشیند،
بلبلاں ہم مزاجداں نشدند — کس چہ داند کہ گل چہ خو دارد
کشتۂ او برہنہ کے ماند — لالہ از خونِ خود کفن دارد
با من چو دل از تو راز گوید — گوید سخنے و باز گوید،
چہ قاصد و چہ پیام و چہ مژدہ و چہ خبر — بہیچ حیلہ دل امیدوار نتواں کرد
دگر ز چشم تو امیدوار لطف شدیم — نگاہ کردی و دل باز در بلا افتاد
ابتدائے پیالہ بیہوشی است — آنقدرے بخور کہ ہوش آید
من زمانِ دگر بہ ہوش آیم — لحظۂ انتظار من بکشید،
مے در پیالہ خونِ جگر در کنار بود — فصلے کہ من اسیر شدم نوبہار بود
جان بود و مدتے بچشیدم ز ابلہی، — چوں بر لبم رسید عجب خوشگوار بود
افسوس کز سر رشتہ ام از دست بدر شد — دل بردی و رفتی و مرا دیر خبر شد
بودیم ز خود بے خبر افتادہ ولیکن — در سینہ خلیدی و بیکبار خبر شد
مرا بیرون کن از جائیکہ آنجا — تو باشی و دل آشفتہ باشد
خلاف وعدہ ندانی و سے بایں طالع — بوعدہ ہائے تو امیدوار نتواں شد
ہست کسے باز بدنبالِ من، — میروم و دل بقفا میرود
ساغرے سایۂ بیدار نباشد گو مباش — خونِ دل در سایۂ دیوار میباید کشید
پیش من یک حکم دارد مہرگان و نوبہار — در قفس راندند گرچہ در بہارم زادہ اند
ی نداند روش بزم دلِ وحشی ما — مگذارید کہ دیوانہ بمحفل برود
ریختم از مژہ خونابہ و مے گلگوں شد — یاد لعلِ تو نمودیم و قدح پر خوں شد
ماند است چنیں کہ غنچہ خاموش — زاں لب سخنے شنیدہ باشد
گفتا کہ چگونہ میدہی جان، — جانان گفتیم و جاں برآمد
بر عیشِ روزگار زدہ پشت پا بناز — خوشوقت آں گروہ کہ غمگیں گزشتہ اند
میرسی و نیستی اگرچہ بر جان میرسد — میروی و ہم نمیدانی چہ بر دل میرود
درد تو سزائے دل بیدرد نباشد — آزردہ دلی منصبِ ہر مرد نباشد
چہ بلاست ایں ندانم کہ من و تو ہم شرابم — دل تو ہمی کشاید دلِ من نمی کشاید

یار چوں بے حجاب میخندد — گوئیا آفتاب میخندد
کس بے خبر بگو کہ نیاید بکوئے عشق — تا بیخبر شدیم بیاراں خبر رسد
بفردا گفتۂ خونت بریزم، — مباد امروز از شادی بمیرم
بگفتی نسبتی گو حال چونست — سرت گردم نہ غمگینم نہ شادم
در کوئے تو بر خاک نشستیم نشستیم — با خاطر غمناک نشستیم نشستیم
دیوانگی ببیں کہ زد نبال کاروان — چنداں دویدہ ام کہ ز محمل گذشتہ ام
کدامیں شب بود یارب کہ آں شب — تو باشی شمع و من پروانہ باشم
ہر کجا دل میرود من در پئے دل میروم — دل اگر دنبال ما نے من بمنزل میروم
چہ گل شد گفتہ دریں باغ نسبتی کہ مدام — ترا و مرغ چمن را بنالہ می بینم
دگر از خاک آں کو برنخیزم — بخاک پائے او سوگند کردم
از گفتگوئے عیش و طرب باز ماندہ ایم — ساز شکستہ ایم ز آواز ماندہ ایم
دیروز بہ بلبلم شب افتاد — افسانہ خوئے گل شنیدیم
چوں مرغ سر ایسیمہ ز پرواز فتادم — بر خاستم از پائے گل و باز فتادم
سخن تمام نشد نسبتی و جاں دادم. — حدیث شوق دراز ست مختصر گفتم
پارۂ دل بر جگر لخت جگر بر روئے دل — پارہ ہا را دوختم اما پریشاں دوختم
دماغم نسبتی آشفتہ گشتہ است — نہ با بلبل نہ با گل می نشینم
بیا ایدل کہ باہم راز گوئیم، — حدیثے بشنویم و باز گوئیم
من و تو ہر دو مرغ بستہ بالیم، — بہم افسانۂ پرواز گوئیم
نیاز دل بمژگانش رسانیم — سلام صعوہ باشہباز گوئیم
یاراں ببال شوق پریدند و ما ہنوز — در انتظار شہپر عنقا نشستہ ایم
دیوانگی ببیں کہ چو طفلان بے خبر — امروز خوش بوعدۂ فردا نشستہ ایم
جز تو گم گشتۂ تو نیست بجو، — خویش را جستہ جستہ پیدا کن
چو ز حال من بستی بہ نگہ سوال کردی — ز ہجوم گفتگوہا گہ پائمال کردی
مہت گفتم برخ برقع گرفتی — مرا از روئے خود شرمندہ کردی

ایک صناع کے نفسیات

(۱)

"دو دوست ایک ہی عورت سے محبت نہ کریں" یہ کسی قانونی دفعہ کا جزو تو ہے نہیں کہ جرم ہو، اور اگر حکیمانہ نظر سے دیکھا جائے تو ایسے دو دوستوں کی محبت میں اضافہ ہو جانا چاہئے۔ کہ باہمی تعلق خاطر کا مدار تو اشتراک ذوق ہی پر ہے۔ بہرحال وسط ہند میں اس مسئلہ پر ایک شاہانہ فلسفہ مرتب ہو گیا ہے۔ مگر ہماری سماج اس کو روا نہیں رکھتی اور نفسیات انسانی کا بھی فیصلہ یہی ہے کہ مذہب محبت میں شرک ناروا ہے۔ رشک و رقابت فطری جذبہ ہے

جوتیش کپتا اور نرمل چندر سین بچپن کے ساتھی اور ہم سبق دوست تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ ڈگری حاصل کی تھی بلا دیوی مزدار بی اے کے آخری سال کے لئے اسی کالج میں داخل ہوئی، اور اگرچہ یہ دونوں دوست تھے لیکن جب بلا سے ربط و ضبط بڑھا تو دونوں کو اس سے محبت ہو گئی۔ عام مشاہدے کے خلاف ان کی محبت میں یہ خاص بات دیکھنے میں آئی کہ وہ رشک و رقابت کے رکیک جذبے کا شکار نہ بنے۔ بلکہ ایک نے دوسرے سے اپنے احساسات کا حال بیان کر دیا اور اس پر متفق ہو گئے کہ دونوں میں سے بلا جس کو چاہے منظور کرے

بلا کی زیبائی میں وہ تمام اجزاء شامل تھے جو حسن بنگالہ کو جیتا جاگتا جادو بنا چھوڑتے ہیں، اور اس کی دلربائی میں وہ تمام جاذبیتیں موجود تھیں جو بر ہمو کلچر ایک لڑکی میں پیدا کر سکتا ہے۔ بلا جتنی حسین تھی اتنی ہی ذہین بھی، اور جسقدر نرم و نازک تھی اسی قدر سوشیل بھی تھی۔ جوتیش وجیہ و مضبوط قوئے کا نوجوان تھا اور باوجود عملی انسان ہونے کے اس کی فطرت میں ہمدردی کا عنصر بھی تھا۔ نرمل شکل و صورت کے اعتبار سے تو اتنا دلکش نہ تھا جتنا اس کا دوست تھا لیکن ذہن و طبیعت کے اعتبار سے نہایت حسین نوجوان تھا۔ نرمل کو ایک تخیلی انسان کہنا غلط نہ ہوگا۔ اس میں زندگی سے عوض رہودگی کا عنصر زیادہ تھا۔ اس پرواز طبیعت کے ساتھ اگر تعلیمی مضمون بھی ادب ہو اور پروفیسر ایک شاعر، تو ایسے طالبعلم کا شاعر نہ بنجانا کمال حیرت کی بات ہوگی، چنانچہ نرمل کی شاعرانہ فطرت کو پرواز کا پورا موقعہ ملا۔

بلا کا نسوانی احساس جوتیش کی وجاہت سے متاثر تھا، لیکن اس کا ذوق نرمل پر فریفتہ تھا۔ اس لئے جب نرمل کے فطری ایثار نے پہلا موقعہ جوتیش کو دیا تو بلا نے اس سے کہدیا کہ۔ "جوتیش، اگرچہ میں تمھیں بہت پسند کرتی ہوں لیکن

تم میرے ذوق کے معیار پر پورے نہیں اترتے!" — اس کے بعد نرمل نے اپنی آرزوؤں کو پیش کیا اور ہر چند جوتیش کی سی خوبرو نرمل کے پاس نہ تھی مگر بلا نے اُسے قبول کر لیا اور اُن کی شادی ہو گئی — بی اے پاس کرنے کے بعد ہی نرمل ایک بڑے ترکہ کا مالک بن گیا۔ لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ موروثی دولت کی قدر نہیں ہوتی اور جس کی طبیعت میں نرمی اور ہمدردی ہو، وہ دولت کی قدر تو کجا اُس کا صحیح استعمال بھی نہیں جان سکتا۔ چنانچہ نرمل کے اسراف کی کوئی حد نہ تھی، احباب و اقارب کے علاوہ اگر کوئی اجنبی بھی اُس کے پاس اپنی ضرورت لیکر پہونچ سکا تو مایوس نہ پلٹا اور دوستوں شناساؤں میں تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جسکی ضرورت نرمل کے علم میں آئی اور رفع نہ ہو گئی ہو۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ غائب دوست اس کے نزدیک غائب ہی ہو جاتا تھا، غرض اُس کی دولت کو ختم ہونا تھا اور وہ ختم ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ تمام دوستوں سے جدائی ہو گئی، شعر و ادب کے سوا اور کوئی ساتھی اس کی تنہائی کا باقی نہ رہا

شعر کے باب میں نرمل کے خیالات و عقاید کچھ جاپانی نظریات سے متاثر تھے اور مشق و مطالعہ کے ساتھ زندگی کے دلشکن تجربات، نیز اُس کے غمگین حالات نے اُسے نہایت نازک خیال شاعر بنا دیا تھا، نرمل کو اپنے فن سے عشق تھا اور تہذیب و تمدن میں ریاکاری کے سوا اُسے کچھ نظر نہ آتا تھا، اس کی طبیعت کا یہ انداز اُسوقت تکمیل کو پہونچا جب وہ افلاس کی حد میں پہنچنے لگا، اور اس حالت نے اسکی طبیعت میں مزید تغیر یہ پیدا کیا کہ اس کا دل انسانی خطوط کا ریوں پر دُکھنے لگا اور اُس کی معیار ادب میں حکیمانہ پہلو پیدا ہو گیا — جوتیش کی زندگی کلرکی سے شروع ہوئی۔ اس معاشی پستی نے اس کے دل سے بلا کو بھی بھلا دیا۔ مگر وہ چونکہ حرکت و عمل کا انسان تھا، اُسے ایک موقعہ ترقی کا مل گیا اُس کا موضوع تعلیم تو اقتصادیات رہا تھا، لیکن ایک بہت بڑی فلم کمپنی سے تعلق ہو گیا اور چونکہ تیز آدمی تھا، بہت جلد فلم ڈائرکٹر بن گیا۔ یہ "سینریو" بھی خود ہی لکھ لیتا تھا، امریکن فلموں سے کاٹ چھانٹ کر فسانے بھی خود ہی مرتب کر لیتا تھا، مختصر یہ کہ اب وہ بڑا آدمی تھا۔ حالات مساعد ہوئے تو جوتیش نے نرمل کے ساتھ بھی تعلقات کو تازہ کیا جو جد و جہد کے زمانہ میں بالکل ترک ہو گئے تھے

(۲)

جوتیش نے جیب سے سگار کیس نکالکر نرمل کی طرف بڑھا دیا، اور کہنے لگا: "یہ سنکر کہ بلا کو دردسر کی شکایت ہے مجھے بہت افسوس ہوا" نرمل نے ایک سگار نکال کر میز پر رکھ لیا اور ایسے لہجے میں جس سے عام بیزاری کا اظہار ہوتا تھا کہنے لگا: "یہ شکایت اُسے اکثر ہو جاتی ہے۔ سگار بہت نفیس ہیں۔ شکریہ!" — آج کل نرمل چاندی بازار کی اونچی عمارت کے بالائی حصہ میں رہتا تھا، اور جس چھوٹے سے کمرے میں یہ دونوں باتیں کر رہے تھے وہ نرمل کا دارالمطالعہ تھا اور نشست گاہ بھی۔ کمرے کی حالت سے عسرت ظاہر تھی۔ ہر چیز میلی اور گرد آلود تھی، ہر شے بے ترتیبی سے پڑی تھی، کتابیں ہر جگہ بکھری ہوئی تھیں۔ جوتیش سگار پیتے ہوئے سامنے دروازے پر نظریں جمائے دیکھ رہا تھا جس کے اندر بلا دردسر میں مبتلا پڑی ہوئی تھی وہ پھر کہنے لگا: — "نرمل، کیا اس میں کچھ شک باقی ہے کہ تم اپنی شاعری سے معاش پیدا نہیں کر سکتے؟ اور جب تمہاری

زندگی کامیاب نہیں تو تمھارا فن یقیناً زوال پذیر ہے!"۔ نرمل مسکرا دیا اور بولا:۔ "ایک شاعر کبھی کسی بات کا اعتراف نہیں کرتا اور فن و ابتلا میں تو خاص ربط ہے!" ـــــ "لیکن ایک شاعر کے لئے بھی حرکت و عمل ضروری ہے؟"

نرمل کے سُتے ہوئے چہرہ میں کسی خاص جذبہ سے اک چمک سی پیدا ہوتی نظر آئی مگر جوتیش کہتا رہا:۔ "تم یہ کہہ سکتے ہو کہ رجعت بھی تو حرکت ہے!" ـــ نرمل کے سانس لینے سے اس کے داغی انتشار کا اور اُس کے کھانسنے سے اعصابی اختلال کا پتا چلتا تھا۔ وہ کہنے لگا:۔ "تمھیں بڑا گھمنڈ یہ ہے کہ تم زندگی کو کامیاب بنانے کی راہوں سے واقف ہو، اور تم کہہ سکتے ہو کہ نتائج و تجربات انسان کے رہبر بنجاتے ہیں، اور صحیح نتیجہ وہ ہے جو انگلیوں سے محسوس کیا جا سکے تمھیں یہ بالیقین کہنے کا حق اسوجہ سے ہے کہ اسوقت تمھاری زندگی کامیاب ہے! لیکن سوال یہ ہے کہ جسے تم ترقی و کامیابی سے تعبیر کر رہے ہو وہ تنزل و محرومی تو نہیں!" یہ کہکر وہ کرسی کی پشت سے ٹک گیا اور کھانسا۔ جب ذرا سانس ٹھیری تو جوتیش کے مونھ کے سامنے چٹکی بجا کر کہنے لگا "میرے نزدیک تمھارے استنباط و نتائج کی قدر بس اتنی ہی ہے!"

اس کی اس گفتگو سے جوتیش جھلا گیا، کچھ مکدر سا ہو گیا، لیکن ساتھ ہی اُسے نرمل کے مقابلہ میں اپنی برتری یعنے ایک کامیاب انسان ہونے کا احساس بھی ہوا۔ اور فوقیت کے اس احساس نے اس کے تکدر کو رفع کر کے اُسے ترحم پر آمادہ کر دیا۔ "نرمل، میں اس حقیقت کو کہ صرف روپیے ہی کا نام کامیابی نہیں، تمھاری رعایت سے نہیں بلکہ دلایل کی بنا پر مانتا بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ آئینہ دیکھو گے تو تمھیں کہنا پڑے گا کہ تم اس عمر میں انسان معلوم ہونے کی بجائے انسان کا ایک ایسا خاکہ نظر آتے ہو جو ماند اور پھیکا پڑ گیا ہے!" ـــ نرمل کی غلافی آنکھیں جن میں گڑھے پڑے ہوئے تھے پھیل گئیں اور اُس کے زرد چہرے پر فسردگی چھا گئی، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اُس کے احساس کو صدمہ پہونچا ہے:۔

"جوتیش، تمھاری اس گفتگو سے میں خوش ہوں یا اُسے اپنی توہین سمجھوں؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم میری اس صاف گوئی کو دلسوزی کے سوا اہانت پر مبنی نہ سمجھو گے، ورنہ میں ایسے نازک مسئلے کو چھیڑتا ہی نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم ان دو کوٹھریوں کی سکونت کو اُنس مکانی کہو گے، مگر ایسی توجیہیں مجھے مطمئن نہیں کر سکتیں۔"

"شاعر کبھی حیلے نہیں تراشتا! اُنس مکانی ایک حقیقت ہے، اور راحت و تکلیف خیال سے وابستہ ہے!"

"بجا ہے! لیکن سوال صرف شاعر کی ذات کا نہیں بلکہ بملا اور شیلا کا بھی ہے! پچھلی بار جب میں ملا تھا تو بملا کمزور اور شیلا مضمحل نظر آتی تھی۔ تم اتنے غیر ذمہ دار کیونکر ہو سکتے ہو؟" جوتیش نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

"اوہو! اب یہ حالت ہے؟ نرمل نے کس بات پر اظہار تعجب کیا، نہیں کہا جا سکتا ـــ جوتیش نے ذرا سنبھل کر پھر کہنا شروع کیا:۔ "تمھیں یہ بتانا پڑے گا کہ ہنسی خوشی سے رہنے کی آرزو تمھارے دل سے کیوں جاتی رہی، تم ہنسنا کیوں نہیں کرتے جو سب کرتے ہیں؟ اس دنیا میں شاعری کی بھی قیمت ہے لیکن وہ شاعری دنیا کی سمجھ میں آنا چاہیئے۔ ایک سوگوار

"بیزار شاعر جو ۔۔۔ نے نرمل سے "سوگوار اور بیزار شاعر" کو اپنی صحیح داد سمجھ کر ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا:۔ "تم مجھے بھی اپنے مشین کے پہیے سے باندھنا چاہتے ہو ۔۔۔ جوتیش، یہ دنیا محض اعتبارات کی دنیا ہے، اور ان اعتباری نعمتوں میں جو یہ دنیا پیش کر سکتی ہے تضاد و تخالف ہے، ایک نعمت کے حصول کے لئے دوسری نعمت کو خیرباد کہنا ہی پڑے گا! جس کو تم کامیاب زندگی کہتے ہو سب سے زیادہ ناکام ہی کامیابی میں آخر کچھ تو بے نیازی کا جزو ہونا چاہیئے تمہاری کامیاب زندگی میں بس یہی چیز مفقود ہوتی ہے، بصیرت کا تقاضا یہی ہے کہ انسانی زندگی سوگوار ہو اور دنیا سے بیزار رہے اسوقت نہایت صحیح لفظ نہیں دہرا دیکر تم خوش کر دیا"۔ جوتیش کو نرمل کی یہ باتیں "کٹ حجتی" معلوم ہوئیں، وہ غصہ میں آکر اٹھ بیٹھا اور بڑبڑانے لگا:۔ "تم خود جس طرح چاہو مر سکتے ہو۔ اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں۔ لیکن بلا اور بچی کا خیال نہ کرنا صرف انسانی فرائض کے خلاف بلکہ مقتضائے شاعری کے بھی منافی ہے!"۔ ان فقروں نے نرمل کو دوسرے ہی عالم میں پہونچا دیا، یاد ماضی نے تازہ ہو کر اس کے خشک چہرے پر ایک رنگ پھیر دیا اور بولا:۔ "ہاں، بلا اور میں ایک وقت سمجھتے تھے کہ ہم دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دے سکیں گے ۔۔۔ دنیا کا نظام ہی بدل دیں گے!" اس نے نرمل پر اس وجدانی کیفیت کے طاری ہو جانے کو نہیں دیکھا، مگر جوتیش خود بھی اسی رنگ میں رنگ گیا:۔ "کانجی مل کی ضمانت میں جب تمہاری جائداد نیلام ہوئی تو بلا کے تاثرات تمہارے علم میں بھی نہ آئے ہوں گے۔ اس نے کسی سے کہا تھا جو خار جا بنے بھی سنا کہ محبت دنیا میں ہر چیز کا بھی نعم البدل ہے، کیونکہ محبت کی یاد سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں ہے، بلا کو جو اعتماد تمہاری ذات میں تھا وہ خود اپنی جگہ مستقل چیز تھا ۔۔۔ جوتیش تمہیں جاننا چاہیئے کہ دنیا میں حقیقت ایک ہی ہے صورت دیکھا جائے تو بلا کا اعتماد حسن محض تھا تو آج اس کی سیوا ایک مستقل "روپ" ہے!"

نرمل مسکرایا، جوتیش نے کھڑکی کی طرف نظر اٹھائی، ایک پل بھر کے لئے سگار کا دھواں دونوں کے درمیان حائل ہو گیا، اور پھر جوتیش کے ہونٹ حرکت میں آئے:۔ "اسوقت بلا نادان تھی، کم سمجھ تھی، زندگی کے تجربوں سے ناآشنا تھی، اور ہم سب بھی ایسے ہی تھے، تمہارے سب دوست، اپنے حلقے میں تم کو قابل ترین مانتے تھے ۔۔۔ اس وقت ہم سب قابلیت و ذہانت کے پرستار تھے، کیا زمانہ تھا! الغرض اب تمہارے دوست برداشت نہیں کر سکتے کہ تم اس تنہائی میں زندگی گزار دو"

"تنہائی میں عافیت ہے!" نرمل نے جواب میں کہا

"ہو، مگر عافیت اور ذمہ داری دو جداگانہ چیزیں ہیں ۔۔۔ ذمہ دار انسان عافیت کی تلاش کریگا تو ادائے فرض سے قاصر رہیگا"

"اعتبارات میں اگر ایک اعتبار کو زیادہ اہم ۔۔۔"

"تم اسے مانو گے یا نہیں کہ زندگی کی ادنیٰ ضروریات بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں؟" جوتیش نے نرمل کا قطع کر کے سوال کیا

"ہاں، اس بنا پر کہ ادنیٰ چیزوں کی ضرورت ہر وقت پڑتی ہے، ان کو زیادہ اہمیت دیجا سکتی ہے"

"تو تم نے بلا اور شیلا کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کیا سوچا ہے"

اس سوال نے نرمل کو زیادہ متاثر کیا، اور اس کا ہاتھ بے اختیار میز پر رکھے ہوئے کاغذوں پر جا پڑا۔ اسکے ساتھ جوتیش بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ کرسی کے سرکنے اور جوتیش کے قدموں کی چاپ نے نرمل کے اعصاب پر اثر ڈالا۔ نرمل جھلا سا گیا لیکن جوتیش بول اُٹھا۔ "سنو نرمل، تمھیں چاہیئے کہ تم گھر سے نکلو، آدمی بنو، آدمیوں سے ملو، اور دنیا کی طرح آدمیوں سے مل جل کر کام نکالو۔ لیکن اگر بیوی بچوں کی ذمہ داری کا احساس بھی تمھیں اس پر آمادہ نہیں کر سکتا تو جب تک تم کوئی صورت پیدا کرو مجھے اجازت دو کہ میں تمھارے حالات کی دیکھ بھال کروں۔ سنا ہے تم کوئی نظم لکھ رہے ہو — کب تک مکمل ہو جائے گی؟" — "ایک نظم کبھی مکمل نہیں ہوتی! لیکن ہماری گزر تو ہو رہی ہے —"

"لغو، مہمل! آپ کے پاس تین جانوں کی گزر کے لئے جتنا ہوگا، اردیشیر کی بیوی اپنے موزوں پر اُس سے کہیں زیادہ خرچ کر دیتی ہے!" — "اس گفتگو سے اردیشیر کو واسطہ؟" — "یہ کہ اگر تم خفا نہ ہو تو وہ یہاں حاضر ہو اور تمھاری کسی نظم یا فسانے کا فلم بنانے کی اجازت طلب کرے" — نرمل نے ہاتھ کے جھٹکے سے جوتیش کی تجویز کو ناقابل توجہ ثابت کرتے ہوئے میز کے کاغذوں کو چھوا اور بولا: "تمھارے ہی فلسفے کے تحت شاید یہ ہنوز صورت حال کو بدلنے"

"احمق نہ بنو، نرمل! تم جانتے ہو کہ محض شاعری ہمارے اُجڑے وطن میں معاشی مشکلوں کا حل نہیں ہو سکتی۔ تاوقتیکہ اُسے تجارتی نہ بنایا جائے، مشکل حل ہو سکتی ہے عمدہ انتظام سے! خوب تیل دی ہوئی مشین ہی خوب چلتی ہے!"

"مگر تمھیں کیا معلوم کہ میں کیا لکھ رہا ہوں؟"

نرمل نے جوتیش کے فقرے کے اندر مخفی طنز کو نہیں دیکھا اور اپنے کام کے بخوبی انجام پانے کی داد پا کر اس کی بھوری آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں — "خوبصورتی سے انجام پا رہا ہے! جوتی، خوبصورتی میرے لئے سانس کا درجہ رکھتی ہے۔ ایک حسین نظم، ہاں!" اُس کی گردن مڑ گئی اور وہ اُس دروازے کو دیکھنے لگا جس کے پیچھے اُس کی بیوی اور بچی نیم گرسنہ سو رہی تھیں۔ نرمل کو احساس ہوا اور کہنے لگا۔ "مجھے پروا نہیں کہ کون دکھ اُٹھاتا ہے، کون مصیبت جھیلتا ہے — جو مجھ سے وابستہ ہیں، ان کا بھی فرض ہے کہ مجھے پہچانیں، مجھے سمجھیں! میرے لئے میرے فن سے زیادہ حقیقی شے کوئی نہیں! اُن کو صبر سے انتظار کرنا چاہیئے۔ صبر سے انتظار کرنا ہی انسان کا حسین ترین فرض ہے"

جوتیش کھڑا ہو گیا، نرمل کی اس وقت کی حالت کو کچھ دیر دیکھتا رہا، اور پھر بولا: — "ہوں، نرمل، میں جانتا ہوں کہ ان حالات کے باوجود تم اپنی ہی سی کرو گے!"

"اگر کوئی مجھے چین سے رہنے دے — اپنی سی کرنے دے!"

"ایک زمانہ تھا کہ مجھے تمھاری ہر بات سے اتفاق تھا، لیکن اسوقت ہم دونوں زندگی سے روشناس نہ ہوئے تھے۔ اُس وقت، وقت بھی ہماری تائید کرتا معلوم ہوتا تھا، ہم سمجھتے تھے کہ دنیا کے پہلو میں بھی دل ہے، مگر حقیقت

کچھ اور نکلی، نظام دنیا ایک بے روح مشین ہے اور بس، اور ہم سب اسی مشین کے پرزے ہیں - ہمیں اسی رخ گردش کرنا پڑے گی جس رخ پر دنیا گردش کر رہی ہے۔ پھر، وسعت نظر سے کام لینے کے بعد یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ فن یا کوئی مشغلہ انسان کو ماورائے بشریت کیونکر بنا سکتا ہے؟"

"صناعت آدمی کو جہنم میں پہونچا دیتی ہے!" نرمل کی آنکھوں سے غصہ ٹپکنے لگا - جوتیش نے اس کے غصے سے تجاہل برت کر کہا:- "سچ کہتے ہو لیکن بلا سے تنہا ایک صناع سے شادی نہیں کی بلکہ ایک انسان سے بھی کی ہے!"

نرمل ایک ذرا کھانسا - اس کی کھانسی کا تعلق اعصاب سے تھا - پھر ایک زہر خند کے ساتھ کہنے لگا - "عورت دو صناع کے ساتھ شادی کرتی ہے اور نہ انسان کے ساتھ وہ ایک مرد سے شادی کرتی ہے!"

"نرمل تمہیں سمجھنا چاہئے، ایک جان چھڑکنے والی بیوی اور ایک معصوم بچہ ——— اور ہر قسم کی راحت و آرام سے محروم! آخر وہ کیا چیز ہے جو تم کو دے رہے ہو اور جس پر تم کو اتنا اعتماد ہے؟"

"ایک ٹریجڈی - ایک حزنیہ حزنیۂ حیات!" ——— "مظلوم؟" ——— "ہاں" ——— "اسکا تو ظلم بھی بن سکتا ہے"

نرمل نے کھڑکی میں سے نظر آنے والی روشن فضا کی طرف اشارہ کیا جہاں چوراہے کے بازاروں اور تماشہ گاہوں کے چراغاں نے ایک نورانی غبار سا اڑا رکھا تھا اور جس کی وجہ سے نرمل ستاروں کی پُرفریب جھلملاہٹ کو نہ دیکھ سکتا تھا - "تمہارا مطلب ہے کہ مجھے مثنوی کا فلم بنانا چاہئے اور وہاں دکھایا جائے ——— وہاں، جہاں ہر وقت بٹیں اور لوہا کٹ کٹ کی آوازیں آتی ہیں جہاں مشینیں چلا کرتی ہیں؟"

جوتیش ہنس کر کہنے لگا:- "یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے، یہ سب جس سے تم نے اپنی بیزاری کا اظہار کیا، ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے "آج" اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے"

"تو مجھے مہربانی کر کے 'کل' پر قانع رہنے دو ——— مجھے تمہارا 'آج' اور اس کا اظہار نہیں چاہئے!"

"فریقین میں ایک ہی حق پر ہوتا ہے!" جوتیش نے طنزاً کہا

"نہیں، دوسرا ہمیشہ ناحق پر ہوتا ہے!" نرمل نے بھی طنز کیا اور اسکی آنکھوں میں ایک چمک آکر فوراً مٹ گئی، چہرے پر فردنی سی چھا گئی - وہ کہتا رہا "جوتیش، تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ یہ ہولناک غبار نور ہر رات مجھ پر کیا ظلم کیا کرتا ہے ——— مجھے اس سے چڑھ ہو گئی ہے، نفرت ہے، یہ شیطانی روشنی ہے!" نرمل کی سانس تیز ہو گئی اور اس کی نگاہیں اس روشن فضا پر جم گئیں "یہ روشنی نہیں شیطان کی سانسیں، جب بھی میری نگاہ اس پر پڑ جاتی ہے تو میں اس روشنی کے اندر ہزاروں سیہ داغ جھم جھم ٹپڑیاں دیکھتا ہوں یہ روشنی ہر رات مجھ پر طعنہ زنی کرتی ہے کہ مجھے گل کرنا چاہتے ہو تو اپنی زندگی کا چراغ بجھا دو!"

نرمل سانس لینے کے لئے رکا، خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، مسکرانے کی کوشش کی، اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا "تم مجھے دیوانہ کہو گے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اور تمہارے اور ایسے تمام انسان، اس خرافات میں

سب کچھ زندگی اور صناعت سمجھ لیتے ہو! تم وہ چیزیں تو بنا لیتے ہو جو روح انسانی کی تسکین کے بجائے دنا راج کر دیں، لیکن ایسی شے تخلیق نہیں کر سکتے جس سے تمہارا نفس تسکین پا سکے! تمہاری روحیں بھی تاجرانہ ہیں! تمہارا ذہن و دماغ بس تمہیں احمق بنانے کی قابلیت رکھتا ہے، کیونکہ تم لوگ اپنے خیال کی خلوتوں میں ان ہفوات ہی کو حیات و صناعت کا نام دے لیتے ہو!" — جوتیش پھر کھڑا ہو گیا، اس کی آنکھیں سکڑ گئیں، اور بغلوں میں ہاتھ دبا کر کہنے لگا: — "بہت بہت شکریہ!"

"معاف کرنا، جوتی، مگر میں کہوں گا کہ اس مشینی تہذیب، اس صنعتی تمدن، اس سرمایہ داری کے نظام معاشرت نے روحانیت کا گلا گھونٹ دیا ہے، میں ارباب ادب و صناعت کے دعوے سنتا ہوں اور اپنی قوم کے ذہنی افلاس پر ماتم کرتا ہوں — آج ادب اور ادبی صناعت کا جو مفہوم سمجھا جا رہا ہے، تم خود اس کی ایک زندہ شہادت ہو، انسانی صحبت سے میری وحشت کی بڑی وجہ یہی ہے۔ پرانے دوستوں میں ایک تم ہو جو عنایت کیے جاتے ہو، میں سچ مچ ایک ناکارہ آدمی ہوں — اس دنیا کے لئے ہرگز موزوں نہیں!" یہ کہہ کر نرمل ہنسا اور اس کی آنکھوں میں خوف جھلکنے لگا۔ دونوں کی نگاہیں کھڑکی میں سے باہر کی روشنی کو دیکھنے لگیں اور نرمل نے کہا، "یہ تمہاری انسانیت ہے کہ اس ناخوشگوار موسم میں بھی اپنے لطف و تفریح کا خون کر کے میرے پاس آئے، اس عہد میں کسی کو دوسرے کا خیال رکھنے کی مہلت ہی کہاں ملتی ہے آجکل شرافت و انسانیت کا دوسرا نام حماقت ہے — یہ الفاظ تو بس کلام کی زیبائش کے لئے رہ گئے ہیں۔"

نرمل کی تلخی اس کی بڑھی ہوئی بیزاری کو دوچند کر کے دکھا رہی تھی، کھانسی کا ٹھسکا پھر اٹھا، جوتیش نے سوال کیا: — "اس کھانسی کا کچھ علاج بھی کر رہے ہو؟"

"معمولی کھانسی ہے — خود چلی جائے گی" نرمل نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"معمولی کھانسی کو تو اتنا شور مچانے کا حق نہیں!"

"معمولی اور ادنیٰ چیزیں ہی تو ہنگامہ آفریں ہوتی ہیں!"

جوتیش سگار کے دم لیتا رہا اور پھر ایک تبسم کے ساتھ جس میں ارادے کی قطعیت شامل تھی نرمل کی طرف نظر اٹھائی:۔

"اب بس یہی باقی ہو کہ تم مجھے ٹھوکر مار کر باہر نکال دو! اس کھڑکی میں سے باہر پھینکدو کہ شیدا ان کی ان تجلیوں کے اندر جا پڑوں"

"نہیں، جوتی، میں تمہیں ٹھوکر مار کر نہیں نکال سکتا — میں واقعی احسان مندی کے احساس سے دبا جا رہا ہوں!"

"تو مجھے اس کا بدلا دو — مجھے اپنا مہاجن بنا لو!"

"مجھے بہت افسوس ہے، مگر میں تمہیں خوش نہیں کر سکتا — واقعی مجھے ضرورت نہیں ہے۔"

ایک مختصر لمحے کے لئے جوتیش کی نگاہیں پھر بلا کی خوابگاہ کے دروازے پر قائم ہو گئیں۔

"تم ٹھوکر مار کر نہیں نکالتے تو اب مجھے اپنے ہی پاؤں سے جانا چاہئے — اردیشر سے قرارداد ہے، وہ ایک ایسا فلم بنانے کے منصوبے کر رہا ہے جو فلمی صنعت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دے۔ بلا سے سلام کہنا

میں پھر آؤں گا۔" نرمل کرسی سے اُٹھا، جوتیش کے ساتھ دروازے تک گیا اور پھر دروازہ بند کر کے چند سیکنڈ کے لئے خاموش کھڑا رہا، زینے پر سے جوتیش کے اُترنے کی آواز آتی رہی۔ نرمل دروازے سے ہٹ کر میز کے قریب پہونچا، سگار کو اُٹھا کر دیکھا اور سونگھا۔ پھر اُس کھونٹی پر نظر پڑی جہاں گھر بھر کے کپڑے ٹنگے رہتے تھے، شیلا کی ٹوپی میلی اور پچکی ہوئی تھی، فراک بھی کئی جگہ سے سلی ہوئی تھی، چھتری بانکی ٹیڑھی ٹنگی تھی۔ بے ارادہ ایک ٹھنڈی سانس بھری اور وہاں سے ہٹ آیا، ہاتھ میں سگار تھا اُسے پھر سونگھا۔ "بلا!" آہستہ سے دروازہ کھول کر ہلکے سے آواز دی۔

"کیوں نرمل، خیر تو ہے؟" ——— "کچھ نہیں جوتیش آیا تھا۔ تمھیں سلام کہہ گیا ہے۔"

"ہاں، میں سن رہی تھی" ——— "جوتیش نے ایک بہت عمدہ سگار دیا ہے، ذرا ٹہل آؤں۔ سر کا درد کیسا ہے؟"

"جاتا رہا۔ آج دن بھر تم لکھتے بھی رہے ہو، ضرور ٹہل آؤ"۔ بلا نے اپنی نرم آواز میں اُتنی ہی دلسوزی کے ساتھ کہا جتنا کہ اُس کا نام نرم و ملائم تھا۔

"تم بھی چلو" ——— "نہیں پربھو، اب کپڑے پہننا دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ شیلا سو رہی ہے، وہ اکیلی رہے گی"

"آج جوتیش نے مجھے بڑی نصیحتیں کیں، میں نے بھی تہیہ کیا ہے کہ ایک دفعہ تو اُسے بھی دکھا دوں۔ ہوں!" بلا ہنسی، مگر نرمل نے اُس ہنسی کی لطافت سے لطف نہ اُٹھایا، بلکہ اس ہنسی میں اُسے مضحکے کا پہلو نظر آیا۔ نرمل کی نگاہیں ایکبار پھر کھڑکی میں سے اُس روشنی پر پڑیں، اُس نے اپنی جگہ طے کر لیا وہ ہنسی بلا کی نہ تھی بلکہ شیطان کی بھی اور کھڑکی میں سے آئی تھی۔ غرض وہ ہنسے سے شیطان کو اُسی طرح درخشاں چھوڑ گیا اُس میں سے نظر آنے والے تن کی تاریک روشنی کو اُسی طرح درخشاں چھوڑ گیا

(۳)

بلا کی نیند اُچٹ گئی تھی، وہ پلنگ سے اُٹھکر دوسرے کمرے میں آ بیٹھی۔ لیمپ کی دھیمی روشنی میں بھی اُس کے سیاہ بال چمک رہے تھے۔ اس کے چھوٹے اور نازنین پاؤں میں سرخ مخمل کی برمی چپل بہت حسین معلوم ہوتی تھی نازک ہاتھوں میں گھر کے کاموں نے وہ تری تو باقی نہ رہنے دی تھی، مگر اب بھی اس قابل تھے کہ دل میں رکھ لئے جائیں بلا نے کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ نرمل کے واپس آنے تک بلا سونا نہ چاہتی تھی۔ دفعتہً کسی نے دستک دی اور بلا نے چونک کر آنکھیں کھولدیں، پہلے تو وہ سمجھی کہ نرمل ہے، مگر نرمل کو دستک کی کیا ضرورت تھی؟

"کون؟" بر بلا اس کے مونھ سے نکل گیا ——— "بلا، میں ہوں جوتیش!" جواب ملا۔

"جوتیش!" وہ حیران ہو کر خود سے کہنے لگی۔ پھر خود بخود بالوں پر ہاتھ جا پہونچا، اور اُس کے دماغ میں ایک بجلی سی چمک گئی، وہ کھڑی ہو گئی، لپک کر دروازہ کھولا اور گھبرا کر پوچھنے لگی: "جوتیش نرمل تو خیریت سے ہے؟" جوتیش کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا، وہ ہانپتا سا رہا تھا، اندر داخل ہوتے ہوئے کہنے لگا: "ہاں، نرملوں کو کبھی صدمہ

نہیں پہونچتا! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں خوفزدہ کر دیا" کہکر ہنسا
بلا نے ایک لمبی سانس لی، اُسکی طرف دیکھا انفعال کا احساس ہوا اور کہنے لگی: "میں اسوقت دیکھنے کی چیز ہوں!"
"سچ سچ ہو ــــ بلا تم دیکھنے کی چیز کب نہیں تھیں! ہتھارا درد سر؟"
بلا نے تذبذب کی حالت میں اُس کو دیکھا اور کہنے لگی: ــ "وہ ایک حیلہ تھا، میں تنہائی اور تاریکی میں سوچنا چاہتی تھی"
اُس نے پھر جوتیش پر ایک متجسسانہ نظر ڈالی "تم جانتے تھے کہ نرمل گھر میں نہیں ہے؟"
"ہاں، مجھے معلوم تھا، آج نرمل سے باتیں کر کے میری آتما بھر گئی ہے، اسی لئے میں اسوقت پھر آیا ہوں، نرمل موہوم امیدوں پر جی رہا ہے، آج اُس کے خیالات کی تہ کا پتا چلا۔ میں اُس کے پاس سے اُتر کر نیچے پہونچا تو ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ اُس سے باتیں کر رہا تھا کہ میں نے نرمل کو باہر جاتے دیکھا ــــ"
"نرمل کی صحت نہایت ناقابل اطمینان ہے ــ سارا سارا دن کام میں لگے رہتے ہیں۔" بلا نے قطع کلام کر کے کہا اور ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو رہی"
"مگر اس وقت تو نہایت بشاش، سگار کے دھوئیں اُڑاتا جا رہا تھا، یقیناً اُس کے خیالات اسوقت چاند کی دنیا میں ہوں گے۔ میں ایک مدت سے چاہتا تھا کہ تمسے باتیں کروں۔ یہ ایک حسن اتفاق ہے۔ کیا روشنی سے چکاچوند ہوتی ہے؟"
اچانک انھیں دبدبا آنے لگا باعث بلا نے فوراً محسوس کر لیا تھا اور جب انھیں کو سوزش نے بے قرار کر دیا تھا باعث ہوئی تھی۔ اُس نے بہت ضبط کرنا چاہا مگر آنسو بہ نکلنے کے لئے بیتاب تھے۔ بلا نے جواب میں کہا: ــ "نہیں، ..... تو!"
"بلا، میرا خیال ہے کہ نرمل بیمار ہے"
"ایسے حالات میں کوئی تندرست کیسے رہ سکتا ہے! وہ ہم سب سے زیادہ خستہ ہیں ــ ان کا دماغ بہت تھکا ہوا ہے!"
"مگر بلا، یہ حالت خطرے سے خالی نہیں!"
"میں جانتی ہوں ــــ سب سے زیادہ خطرہ تو نرمل کو ہے!"
"تم اس کھڑکی کو کیلوں سے بند کر دیتیں تو اچھا تھا"
بلا اس کا اصل مفہوم نہ سمجھ کر جوتیش کو حیران نظروں سے دیکھنے لگی: ــ "مگر رات میں چرنگی کی روشنی مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے: اس کے اندر مجھے روح سی دوڑتی محسوس ہوتی ہے۔ آخر بند کر دینے کی ضرورت؟"
"ہاں، مگر یہ روشنی نرمل کے اعصاب کو بہت متاثر کرتی ہے" جوتیش نے سر کو جنبش دیکر اور بلا کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا: ــ "اُس نے شاید تم سے نہیں کہا، نرمل اس روشنی کو "شیطانی روشنی" کہتا ہے، لیکن مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ تمھیں اس روشنی سے نفرت نہیں ہے"
بلا نے ہنسکر اس کا اقرار کیا، اور کہنے لگی: ــ "ایک عورت کے لئے پر مسرت اور جانی پہچانی چیز سے نفرت کرنا

مشکل ہے، عورت کی عقل محدود مانی گئی ہے اور وہ اتنی عالی خیال نہیں سمجھی جاتی کہ پہچانی ہوئی چیزوں کو فراموش کر سکے! اس حالت میں بھی بعض وقت مجھ پر یہ خیال غالب ہو جاتا ہے کہ تمام خرچوں کو روک کر آخری پائی بھی ان کھیل تماشوں میں صرف کر دوں! مگر پھر عقل آجاتی ہے۔ یہ خواہش اور خیال نرمل کے ساتھ غداری ضرور ہے، مگر ایک حقیقت بھی ہے۔"

"اس کو (غداری) سے کسی صورت میں تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔" وہ بولا

"بعض وقت متاسفانہ احساس ہوتا ہے کہ نرمل کو اگر ایسی بیوی ملتی جو پسند و ناپسند میں بالکل اسکی ہم مذاق ہوتی تو نرمل کی زندگی زیادہ خوش گزر سکتی۔"

"تمہارا یہ خیال ہے؟" جوتیش نے سوال کیا

"ہاں، یہ میری اس محبت کا خیال ہے جو مجھے نرمل سے ہے!"

جوتیش اپنی ٹھوڑی کھجانے لگا، اور پھر سوال کیا: "تم سمجھتی ہو کہ تم لوگ اس مکان میں گرمیاں گزار سکو گے؟"

"تم بھولتے ہو جوتیش، لاکھوں آدمی ہر سال گزارتے ہی رہتے ہیں۔ خود تمنے کتنی گرمیاں اور برساتیں ٹکٹکی ہی میں گزاری ہیں!"

"تم صحیح کہتی ہو، لاکھوں آدمی یہاں کی سڑی گرمی میں بسر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور میں نے بھی بسر کی ہے لیکن وہ حالات دوسرے ہوتے ہیں، کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں، اور لوگ کچھ عادی بھی ہو جاتے ہیں کہ تبدیلی کی ضرورت محسوس ہی نہیں ہوتی، مگر تم کو اس کی ضرورت ہے اپنی بچی کو لیکر ایک مہینے کے لئے مہ سے ساتھ شملا لگ چلی جاؤ اگر نرمل پسند نہ کرے اسے یہیں رہنے دو"

"نہیں، جوتیش، میں تنہا کہیں نہیں جا سکتی — نرمل میرے بغیر کچھ بھی نہ کر سکیں گے، اور انھیں اپنی کتابوں سے جدائی گوارا نہ ہوگی جن کو منتقل کرنا ممکن نہیں۔"

"اسی خیال سے میں نے نرمل کو تو شامل بھی نہیں کیا۔"

"بہت بہت شکریہ، جوتیش، مگر اب تم —"

"بہت اچھا۔" جوتیش نے ذرا کھسیانہ ہو کر اسے بات بھی پوری نہ کرنے دی۔

بملا نے اس کی تالیف قلب کے خیال سے پھر کہا: "میں نے بہت سوچا کہ نرمل کو خبر کئے بغیر میں کام کر سکتی مگر کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی کہ کیا ذریعہ اختیار کروں۔ اس بارے میں نرمل کی خودداری یا غرور حد سے زیادہ ہے۔"

"غرور، ہاں!"

"مگر مجھے کوئی کام نہیں آتا — اور رات ہوتے ہوتے میں بالکل تھک بھی جاتی ہوں!"

"اس دنیا اور اس زندگی پر ہزار لعنت! نرمل کی یہ "شیطانی روشنی" ایک معمولی انسان کو جو کچھ دے سکتی ہے مجھے حاصل ہے، لیکن وہ چیز نہیں ملتی جو میں چاہتا ہوں، نرمل کو تم مل گئیں — لیکن نرمل اس روشنی سے جتنا متنفر

اصل میں اتنا ہی اُس کا طلبگار ہے، کسی شے سے ہماری نفرت، ہماری اُس شے کی تمنا کی مناسبت سے ہوتی ہے! بہت سی چیزیں ہیں جن سے ہمیں نفرت نہیں ہے، اسی لئے کہ ہمیں ان کی ضرورت نہیں، ہماری ضرورت کا پورا نہ ہونا ہماری نفرت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے!

"تمھیں بلا، اس کا احساس نہیں ہو سکتا، لیکن ایک حقیقت ہے کہ تم مجھے ایک قاتل، ایک ایسا شخص ہونے کا احساس کراتی ہو جس نے کسی کو دہکتی آگ میں دھکیل دیا ہو! تم مجھے جتنی پیاری اُسوقت تھیں اتنی ہی آج بھی ہو۔ بلکہ کچھ زیادہ! تمھارا یہ صبر و سکون، تمھاری اچھائی اور سیوا، تمھارا دیویوں کا سا سبھاؤ"

"مگر جوتیش، یہ خیال تو تمھیں جب ہی بھلا دینا تھا۔ میں اپنے انتخاب پر کبھی متاسف نہیں ہوئی۔ میں جانتی ہوں کہ اُس وقت اگر میں غلطی کرتی تو ایک دن سکھ کا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ نرمل کے ساتھ فارغ البالی میں مجھے اتنی تسکین روح و قلب معلوم نہیں ہوتی جتنی اس عسرت میں ہوتی ہے (ہنسکر) میری محبت بھی خود غرض ہے!"

"بلا، میں نے تمھارے فیصلے کا ہمیشہ احترام کیا، لیکن مجھ سے یہ توقع نہ کرو کہ تم زندگی کے سمندر میں پڑی تھپیڑے کھاؤ اور میں کنارے پر کھڑا کھڑا تماشا دیکھوں"

"جوتیش کرم کرو! اب..... اب....."

"بلا، تمھاری محبت مجھے تمھارے ہر اشارے کی تعمیل کو فرض قرار دیتی ہے، لیکن وہی محبت مجھے مجبور بھی کرتی ہے کہ اب میں تمھاری نارضامندی کی بھی پروا نہ کروں — بلا، میں تمھیں اس تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا!" جوتیش نے بلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "کیا تم سمجھتی ہو کہ ذرہ بھر محبت بھی جس کے دل میں ہو وہ یہ دیکھنا گوارا کرے گا کہ تم اس حال میں زندگی بسر کرو، تم اپنی جان کو ایک خود غرض اور اندھے شاعر کے پیچھے کیوں مٹا رہی ہو!"

"جوتیش تمھارے ان احساسات کی قدر نہ کرنا ایک غیر انسانی فعل ہوگا، لیکن سمجھو تو سہی، تم کیا کہہ رہے ہو؟ غور کرو کہ تمھیں ایسی باتیں ہرگز منھ سے نہ نکالنا چاہئے، پھر یہ کہ تمھیں جس سے محبت کا دعوے ہے، کیا تم چاہو گے کہ وہ اپنی محبت سے دست بردار ہو جائے؟ اسے اگر ممکن سمجھتے ہو تو پہلے خود تجربہ کرو! میں نے تمھارے پر خلوص خیالات و احساسات کو دل میں جگہ دی ہے، لیکن ہم دونوں محبت کے متعلق گفتگو کرنے کے بھی مجاز نہیں! میں مانتی ہوں کہ جس طرح ہوا اور پانی کی تقسیم عام ہے، اُسی طرح محبت کرنے کا حق بھی عام ہے اور محبت، دولت و امارت یا شرافت و نجابت کی شرط سے بھی آزاد ہے، مگر جو محبت کرتے ہیں، وہ تو ہستی قربان کر دینے کو محبت کی معراج باور کرتے ہیں! یاد رکھو عشق کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اب جوتیش میرے حال پر رحم کرو اور چلے جاؤ۔ میرے کہنے سے چلے جاؤ!"

"میں تمھارے حکم کی تعمیل تو کروں گا، لیکن مجھ سے کچھ خدمت بھی لو، مجھے موقعہ دو!"

"جوتیش، ایک دل میں بالکل آمادہ ہو گئی تھی کہ تم سے کچھ روپیہ قرض لے آؤں — میں جانتی تھی کہ اس سے

تمہیں خوشی ہوگی۔ اسی خیال سے بتا بھی رہی ہوں، اگرچہ میری تمہیں بتانے پر طیار نہ تھا۔ لیکن تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ میری محبت کا راستہ ایک ہی ہے، یعنی بسر کئے جاؤں گی۔ آیندہ سے اس موضوع کی طرف اشارہ بھی نہ ہونا چاہئے شاید تم سمجھ سکو، مجھے اور نرمل کو اتنی تکلیف کسی چیز سے نہیں ہوتی جتنی لوگوں کی عنایت و مہربانی کے اظہار سے ہوتی ہے ایسے موقعہ پر میں انتہائی کمزور ثابت ہوتی ہوں اور ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اب صبح میں واقعی بیمار اٹھوں گی غریب شیلا پر جھنجلا پڑوں گی، بچوں کی پرورش دراصل بڑا مشکل کام ہے ـــــ اچھا اب جاؤ!"

"ذرا ٹھیرو ـــ مجھے کچھ اور کہنا ہے" ـــ "وہ بھی جلدی سے کہہ ڈالو" "یہ کہ میں تمہیں گود میں اٹھا کر اس کھڑکی سے کود جاؤں گا" ـــ بملا نے نرم سے قہقہے کے بعد کہا۔ "جوتیش میری زندگی کے اس دور میں تم ایک معما بنے جا رہے ہو!"

"سنو بملا، میں نے نرمل سے کہا ہے جب تک اس کی مثنوی مکمل ہو، مجھے اپنا مہاجن بن جانے دے لیکن وہ نہیں سنتا۔ کیا تم میری خاطر سے نرمل کو اس پر رضامند نہ کرو گی؟"

بملا کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار نمودار ہو گئے۔ اس نے کہا: "اس لئے کہ افلاس پر قرض کی لعنت کا بھی اضافہ ہو جائے؟" ـــ "مگر شیلا کی پرورش اور تعلیم ....."

"تم جانتے ہو کہ نرمل ایک مثنوی لکھنے میں مصروف ہیں ـــ یہ صورت ان کے کام کے لئے بھی مضر ہوگی!"

"مگر میں تو شیلا کو کچھ دینا چاہتا ہوں!" ـــ "لیکن تم روپیہ دیکر ہمیں ذلیل بھی کرنا چاہتے ہو!"

"بملا! ـــ تمہارا، میرے متعلق یہ خیال ہے؟" ـــ "غیر سے قرض لینا برا نہیں ـــ لیکن تم سے قرض لینا اور ایک پہاڑ کے نیچے پس جانا برابر ہے، جوتیش اب تم جاؤ!" ـــ "میں اس لئے چلا جا رہا ہوں کہ کوئی دیوانگی نہ کر بیٹھوں، مگر یہ وعدہ کرو کہ جب کبھی تمہارے نقطۂ نظر میں تبدیلی واقع ہوگی تو مجھے ضرور اطلاع دو گی" ـــ "ہاں یہ وعدہ ہے، بس اب جاؤ!" ـــ جوتیش، بملا کی جانب ایک قدم بڑھا، لیکن پھر اچانک مڑا اور رخصت ہو گیا۔ بملا دروازے پر کھڑی اس کی آواز قدم سنا کی۔ نہ معلوم کیوں، لیکن بملا اس کے پیچھے، اس کے پاس جانا چاہتی تھی۔ یہ کیفیت اور جذبہ آنی اور عارضی تھا۔ وہ دروازے پر سے پلٹی تو کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اپنی آنکھوں کی جلن مٹاتی رہی اور پھر جا لیٹی۔

(۴)

نرمل پلٹا تو سیڑھیاں چڑھ کر اپنے دروازے کے سامنے دم لینے کے لئے ٹھہر گیا۔ اس کی سانس پھول گئی تھی، دروازے کی دراز سے کان لگایا تو کمرے کے اندر قبر کا سناٹا سنائی دیا۔ لیکن نرمل کا ہاتھ جیب میں پڑا تھا، اور وہ کسی چیز کو بڑی احتیاط سے پکڑے ہوئے تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ساتھ ہی کھانسی کا دورہ پڑا جس نے نرمل کو کپکپا دیا اس نے کھانسی کو دبا دینے کی ناکام کوشش بھی کی۔ پھر سونے کے کمرے پر کان لگا کر سننا چاہا مگر کوئی آواز نہ سنی۔

نرمل ایک مجسمے کی طرح ساکت تھا اور اس کی نگاہیں کھڑکی پر قایم ہو گئیں - نرمل کے ستے ہوئے چہرے، اور مرجھائے ہوئے ہونٹوں پر ایک خوف آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی - اُس نے جیب سے ہاتھ نکالا اور جلدی جلدی سر کے بالوں پر پھیرنے لگا - پھر کرسی پر بیٹھ گیا، اور جیب میں سے طلائی جالی کا ایک بٹوا نکالا جس میں قیمتی نگینے جڑے ہوئے تھے

لمپ کی روشنی پڑی تو بٹوا اور اُس کے جواہر جگمگانے لگے - کچھ کھٹکا سا ہوا - نرمل نے فوراً اُس بٹوے کو چھپا لیا - پھر خود ہی ہنسا اور بلند آواز سے اپنے آپ کو بزدل کہا - بٹوے کو خالی کیا، جس میں ایک نفیس لیس کا چھوٹا سا رومال تھا، ایک طلائی چھلا جس میں تین چار چھوٹی چھوٹی چابیاں تھیں، تہ کئے ہوئے چند کاغذ تھے، ایک چھوٹی سی سینٹ کی نیلی شیشی تھی، اور ایک چھوٹا سا بٹوا اور تھا - نرمل کی انگلیاں تیزی کے ساتھ اس بٹوے کو ٹٹولنے لگیں - اُسکی نگاہوں میں ایک سوال کی حرارت جھلکنے لگی - اُس نے ایک مخفی احساس حسرت کے ساتھ اُسے کھولا - پہلے جھانک کر دیکھا، پھر اُسے میز پر خالی کر دیا، کچھ نقدی تھی، جسے اُس نے اچھی طرح دیکھا بھی نہیں، البتہ وہ ایک بہت چھوٹی تہ کئے ہوئے کاغذ میں محو ہو گیا - یہ ایک خط تھا - نرمل نے اُس کی تہیں کھولیں، شکنیں مٹائیں اور مضمون پڑھنے سے قبل دستخط دیکھے تو ایک قہقہہ مار کر ہنسا "جوتیش!" پھر اس کو پڑھا اور تہ کرنے لگا - نقدی پر نظر پڑی - چار روپے اور کچھ ریزگاری تھی - نرمل کے چہرے پر سفیدی چھا گئی تھی - کرسی کے ہتھوں پر اُس کی گرفت قایم ہو گئی، آنکھیں بند ہو گئیں اور جبڑے لٹک گئے —

قائم ہو گئیں - نرمل کو محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کی جان نکل رہی ہے — کوئی خبر گیری کیوں نہیں کرتا؟

کھڑکی پر جو نظر پڑی تو غصے سے اُس کی کیفیت پاگلوں کی سی ہونے لگی - پھر اُس نے سب چیزیں بٹوے میں ڈال دیں اور اُسے بند کر کے میز کے کاغذوں پر پھینک دیا، جو افسردہ کمرے کی سوگوار فضا میں ایک سنہرے پھول کی طرح چمک رہا تھا - نرمل کھڑا ہو گیا، سر کو ایک ذرا اونچا کیا اور پکارا:- "بملا!" — "کیوں نرمل؟" جواب ملا "باہر آؤ!" "ابھی آئی!" — بملا جب باہر آئی تو اس کی ہرنی کی سی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں - وہ نرمل کی طرف بڑھی مگر ایک آسیب زدہ کی طرح، اُس کی نگاہیں طلائی بٹوے کو دیکھ کر حیران تھیں اور وہ پریشان - اس چمکنے والی چیز کو دیکھ کر آسیب زدہ بملا کا رنگ اُڑنے لگا تھا، اب یہ دو نرمل کھوئے ہوئے کھڑے تھے اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے پہلے نرمل کی نگاہیں جھک گئیں، اُس کی آنکھوں کے اندر خوف کی پرچھائیاں گزرنے لگیں - نرمل کا ہاتھ بڑھا اور بملا کا آنچل پکڑ لیا - بملا کھڑی دیکھتی رہی — انتظار کرتی رہی

"کرسی پر بیٹھ جاؤ" نرمل نے بڑی مشکل سے ابتدا کی - "بملا، ایک عجیب اور ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ — ہر بات تعجب خیز!" وہ رکا، اُس کی نگاہیں بملا کی پشت پر کتابوں کی الماری پر قایم ہو گئیں - "دو انسان محبت کریں، ایک ساتھ بسر کریں، ایک ساتھ جد و جہد کریں، ایک ساتھ فاقے کریں، ایک ہی سی امیدیں قایم کریں، ایک ساتھ

نا اُمید ہوں، اُن کی گڑیا سی ایک پیاری بچی بھی ہو اور پھر بھی ایک دوسرے کو نہ جان سکیں! حیرت ہے! عجیب و غریب مرحلہ! بلا، یہ بات دنیا کی، انسان کی زندگی کا سخت حیرت ناک واقعہ ہے!"

بلا اُس کی طرف دیکھا کی، تکتی رہی، اس تکتے رہنے میں اُس کی روح نے نگاہوں کا قالب اختیار کر لیا تھا۔ اُس کی حالت یہ تھی جیسے وہ چلتے میں سو رہی ہو، سوتے میں چل رہی ہو، کچھ دیر خموش رہ کر کہنے لگی: "نرل تم کچھ بیمار ہو؟"

نرل نے اُس کا ہاتھ تھام لیا، سر سے پاؤں تک کانپ گیا، یہ سب اضطراری حالتیں تھیں! لیکن وہ بلا کو دیکھے جا رہا تھا، یہ اُس کا ارادی فعل تھا! پھر آہستہ سے بولا:۔ "ہاں، شاید ہوں ۔۔۔ شاید ایک مدت سے بیمار ہوں! لیکن حیرت ہے کہ ہم دونوں کو اس بات کا علم و احساس آج ہو رہا ہے! بلا ۔۔۔۔۔۔۔ غریب بلا!"

بلا ہاتھ چھڑا کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ طلائی بٹوے پر نظر ڈالی اور دھیمی آواز میں کہنے لگی:۔ نرل، اگر تم نے دوبارہ بھی میرا نام اسی لہجے میں پکارا تو میں چیخ پڑوں گی۔"

یہ سن کر نرل لڑکھڑا گیا، کرسی کا تکیہ پکڑ لیا، اور ایک خوفناک ہنسی ہنسا، پھر کھڑکی میں سے باہر دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہے؟" بلا نے بٹوے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا ۔۔۔ "شاید تم پوچھنا چاہتی ہو کہ کس کا ہے؟"

"یہ یہاں کیسے آیا ہے؟" بلا نے پوچھا ۔۔۔ "راستے میں پڑا تھا!" نرل نے کہا ۔۔۔ بلا نے نرل کو نظر بھر کر دیکھا اُس کی کھانسی میں بناوٹ اور چہرے پر فتحمندی کی رونق کو محسوس کیا۔ وہ اسوقت سخت کشمکش میں مبتلا تھی، مگر فوراً اپنے جذبات پر قابو پا کر اپنی فطری شیرینی کے ساتھ پوچھنے لگی:۔ "نرل، تم نے اپنے کام ہی کو اپنی موت بنا لیا، اس قسم کی مصیبت تو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا، ہماری زندگیاں بالکل برباد ہیں!" پھر دفعتہً جذبات سے متاثر ہو کر کہنے لگی "یہ تم نے کیا کیا!"

اُسے نرل کے بیان پر یقین نہ آیا کہ ہٹوا پڑا ملا تھا ۔۔۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ اُس کے خط و خال درشت اور چالاک نظر آئے:۔ "میں نے کیا کیا؟" وہ ہنسا اور کھنکارا۔ "اپنی کرسی ذرا ادھر لے لو تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں میں بتاتا ہوں کہ میں نے کیا کیا۔"

مشینی حرکت کی طرح بلا نے اپنی کرسی سرکائی اور ساری کے اندر اُس کی انگلیاں آپس میں گتھ گئیں، نرل نے اُس پر ایک غور کی نظر ڈالی:۔ "بلا، تم بھی بالکل تھک چکی ہو۔ میرا خیال غلط تو نہیں؟ تمہیں اس طرح گھلتے دیکھ کر برداشت نہ کر سکنے اور جو تفتیش کے الزاموں نے مجھے خود کو بھول جانے پر مجبور کر دیا۔ مجھے اپنی طبیعت اور تربیت کو پس پشت ڈالنا پڑا ۔۔۔ زندگی بڑی بیرحم آقا ہے، بلا!" اس نے بلا کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے کہا

"لیکن نرل، اس سے تمہارا مطلب کیا ہے؟ کیا میں نے ادائے فرض میں کوئی کمی کی یا کبھی کوئی شکایت کی؟" بلا نے نہایت ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

"مطلق نہیں، کبھی نہیں! لیکن بلا، میں تمہیں جس حال میں دیکھتا ہوں وہ حالت اپنی جگہ ایک مستقل شکایت ہے

اُس کے سننے سے میں کیونکر باز رہ سکتا ہوں؟ اس بٹوے کو کھول کر دیکھو۔"

"لیکن ——" ——— "میں جو کہہ رہا ہوں!" ——— "کیا واقعی؟" ——— "اس میں مذاق کا تو کوئی پہلو نہیں جلدی کرو، میں بہت خستہ ہو رہا ہوں۔" بلّا نے ہاتھ بڑھا کر بٹوے کو اُٹھایا، لیکن ہاتھ میں دبا لیا۔

"کھول کر دیکھو!" نرمل نے ذرا سخت انداز میں کہا ——— بلّا نے تعمیل کی ——— "سب چیزیں نکال کر دیکھو۔ جلدی کرو ——— میں بیتاب ہوں۔" ——— "جوتیش، جوتیش کا خط!" بلّا دم بخود ہو گئی۔ پھر ایک لمحے کے بعد "چار روپے گیارہ آنے!" سب چیزیں نکالنے اور نقدی گننے کے بعد آہستہ سے بولی۔

نرمل نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور کہنے لگا:۔ "چوری کی زحمت کے مقابلہ میں نہایت حقیر رقم! نہایت ذلیل ——— ہے نا؟" ——— "اوہ، نرمل، تمہاری سمجھ کو کیا ہو گیا ہے؟" ——— "نہیں بلّا میں دیوانہ ہرگز نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ زندگی نے مجھے سخت ٹھوکریں لگائی ہیں۔ آج میں بھی اُسے ایک ٹھوکر مارنے کے قابل ہو گیا! لیکن میری یہ ٹھوکر زندگی کے جسم میں نہیں بلکہ ہوا میں لگے گی! یہ بھی میری نارسائی کا ثبوت ہے۔"

"چپ رہو نرمل، پریشور را ——— نرمل!" ——— "تم نے اگر مجھے اس لہجہ میں پھر مخاطب کیا تو میں چیخ پڑوں گا" "تم اب سو جاؤ ——— تم بہت تھک گئے ہو" ——— "اسوقت میں ہمیشہ سے زیادہ تھکا ہوا تو نہیں ہوں۔ میں تمہیں سارا قصہ سنانا چاہتا ہوں۔ خموشی سے سنو: ایک شاعر شاید چار روپے گیارہ آنے کی چوری پر آمادہ نہ ہوگا۔ جرم کیا جائے تو اس میں بھی کچھ اہمیت ہونا چاہیئے۔ وہ ہمیشہ اور بہانہ ہا مذایک شاعر کرنے کے واسطے بہت جلدی سے تیار ہے۔" کھانسی کا ایک سخت دورہ پڑا اور نرمل بے حال ہو گیا۔

بلّا گھبرا کر اُٹھی، احساس فرض نے اس کی ہستی کو چھا لیا۔ اس میں حیرتناک طاقت اور چستی پیدا ہو گئی۔ وہ نرمل کے اوپر جھک گئی اور کہنے لگی:۔ "نرمل، سنبھلو! اس بٹوے کے خیال کو مطلق بھلا دو، میرے تمہارے سوا کبھی کوئی نہ جان سکے گا۔ اس واقعہ کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دو اور دفن سمجھو۔ میں تمہارے پاس بیٹھی ہوں پورا قصہ کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لو۔ کل سے ہم نئی صورت میں نئے انتظام کریں گے، ماضی کو یکسر بھلا دیں گے اور ایک نئی زندگی شروع ہو گی۔"

نرمل کا احساس خودداری بلّا کے اس معمولی لطف و رافت سے بھی مجروح ہوا۔ وہ کانپ گیا اور اس طرح کہنا شروع کیا جیسے کوئی کراہتا ہو:۔ "بلّا، میں مرنے کی حد تک تھک گیا ہوں ——— اتنا رگیدا گیا ہوں! میں نے اپنے مطمح نظر کے ساتھ عہد وفا باندھا اور اُسے نبھایا ——— آہ، وہ میرا پاش پاش مطمح نظر! میں اور میرا آئیڈیل، دو اچھے رفیق تھے ——— ان جنہی روشنیوں کی جگمگاہٹ کے ہوتے ہوئے چلے جا رہے تھے! کوئی نہیں جانتا تھا، اور کوئی کیوں پروا کرے؟ ہر صبح وہی اُمید اور ہر شام وہی مایوسی ——— میں نے صرف وہی ایک کام نہ کیا جس کی قابلیت مجھ میں ودیعت ہے اور جس کا نام زندگی ہے!

"شام کو جوتیش آیا اور مجھے ملامت کی، اُس نے مجھے بتایا کہ بملا بہت خستہ ہو گئی ہے اور شیلا مضمحل ہے۔ جیسے میں اِس سے غافل تھا!

"بملا، جوتیش کا یہ ایک لفظ چبھ گیا ہے۔ میری بچی مضمحل نظر آئے! وہ سمجھتا ہے کہ مجھے شاعری کا حق نہیں، کیونکہ اُس کی قیمت اگر مل بھی سکتی ہے تو اتنی نہ ہوگی کہ میں بملا کو تازہ دم اور شیلا کو مسرور رکھ سکوں اور یہ سمجھتا ہے کہ میں جوتیش اور اروشیر کے ساتھ ہو جاؤں۔ ویسا ہی بنجاؤں، وہ لکھنے لگوں جس کی بازار میں مانگ ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ میں اپنی مثنوی کے ختم ہونے اور اُس کی آمدنی ہونے تک اُس سے قرض لے لوں۔ یہاں پہونچکر تو مل سکتا ہے کسی خیال پر قربان ہو جانے کی مسرت میں ڈوب گیا۔ یا اُسکی غلطیوں کا درد اُسے بہالے گیا"

وہ کہتا رہا "جوتیش کے جانے کے بعد میں سمیر کو نکل گیا اور اُس کا دیا ہوا سگار پیکر مزے لیتا رہا۔ سگار بہت نفیس تھا اور رات کی ہوا بھی پھولوں کی طرح تھی۔ میں میدان کے بدلے چورنگی پر ہو لیا، بے ارادہ چلا جا رہا اور کمال اطمینان کی حالت میں تھا۔ میں پارک اسٹریٹ میں جا پہونچا۔ گاسٹن منیش کے پھاٹک میں سے دو عورتیں اور ایک مرد برآمد ہوئے۔ تینوں بہت خوش تھے ہنستے اور قہقہے لگاتے نکلے اور ایک موٹر میں سوار ہو گئے۔ وہ مرد اروشیر تھا۔ میں نے دور سے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ اُس کی بیوی اور بہن ساتھ تھی، تینوں خوش و خرم تھے۔ جھوٹی خوشی! یہ کسی غیر شاعر کے ہاتھ اگر لگتا تو یہ مختصر سا نجبت نامہ جو اپنی قسم کے ادب کا عمدہ نمونہ ہے، بڑی رقم کی ہنڈی ثابت ہوتا!"

نرمل پھر ہنسا، کرسی پر سکڑا، سنبھلا اور پھر کہنے لگا:۔ "میرا خیال اروشیر کے بچوں کی طرف گیا، وہ کسی انا سے تربیت کی، کرائے پر رکھی ہوئی عورت کی نگرانی میں سو رہے ہوں گے، کمرے ہوادار اور گدے نرم ہوں گے! لیکن ماں باپ کھیل کود میں مصروف۔ پھر مجھے تمہارا خیال آیا کہ کام کی تھکن سے نڈھال ہو رہی ہو، پھر یہ ہوا نظر پڑ گیا، میں بڑھا تو یہ پاؤں کے نیچے آگیا۔ میں سوچتا ہوں کہ مس اروشیر کو جب علم ہوگا تو اس کا سارا لطف کرکرا ہو جائے گا۔ نرم گدوں پر بھی بے چین رہے گی!"

اس کے بعد تھوڑی دیر بالکل سکوت رہا۔ بملا نے مہر خموشی توڑی تو اُسے خود اپنی آواز نئی اور عجیب سی معلوم ہوئی:۔

"دھن بھاگ! تو سچ مچ تمہیں پڑا ملا! صبح ہی کسی ذریعہ سے مس اروشیر کے پاس پہونچوا دینا چاہئے۔ تم فکر نہ کرو، میں اس کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے لوں گی" ——— "شکریہ، اچھی بملا!"

بملا نے احساس خوف کی حالت میں نرمل کو دیکھا اور پھر اپنی آواز میں رافت و سکون کا اثر پیدا کر کے کہنے لگی:۔

"نرمل، یہ سب ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ جوتیش نے غلطی کی جو تم سے ایسی باتیں کیں، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ تم ایک اہم تصنیف میں لگے ہوئے ہو۔ مگر اس کی نیت رنج پہونچانے کی نہ تھی۔ بہر حال اب تمہیں اپنا کام ختم کرنا ہے، اس لئے کسی طرف دھیان دینا ہی نہ چاہئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے لئے سب سے زیادہ ضروری داعی سکون ہے۔ مجھے مطلقاً کوئی

شکایت نہیں، استیلا بھی خوش اور چونچال ہے۔ اتنی مدت کی رفاقت کے بعد باقی راستہ طے کرنے میں تمہیں مجھ پر اعتماد رکھنا چاہیئے۔" — نرمل کے ہنستے ہوئے چہرے پر تبسم کی جھلک دوڑ گئی۔ وہ کہنے لگا: — "باقی راستہ طے کرنے میں ——— بملا پیاری، تم ہمیشہ قابل اعتماد ہو!" — بملا کے سراپا میں ایک کپکپی دوڑ گئی: — "میں محض اس خیال سے کہتی ہوں کہ تمہیں خاطر خواہ سکون مل سکے، اُسوقت تک کے لئے کہ تمہاری تنویمی شائع ہو، جوتیش سے کچھ قرض لے لو۔ دوستی و رفاقت آخر اور کس کام آسکتی ہے؟ اور تم نے کیا اپنے دوستوں اور خود جوتیش کے ساتھ سلوک نہیں کئے؟" بملا نے نہایت دلنشین لہجے میں کہا — نرمل کے چہرے پر سے تبسم کا غازہ اُڑ گیا، اور اُس کی طویل سانس سے کمرے کی فضا بھر گئی: — "کہہ چکیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے تمہیں یکسوئی حاصل ہوگی اور تم اعتماد کے ساتھ کام کر سکو گے۔ دوسری طرف جوتیش کی غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی، اُسے یقین ہو جائے گا کہ تمہیں اپنی تصنیف پر کتنا اعتماد ہے۔ وہ غالباً تمہارے احسانات کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم آرام کرو۔" بملا اُٹھی، نرمل کو ایک نظر دیکھا، اور اُس کا یہ دیکھنا اپنی جگہ ایک سوال تھا "اور صبح ایسے تازہ دم اُٹھو کہ گویا تمہیں کوئی فکر ہی نہیں۔ میں تمہارا ہات بٹاؤں گی۔ ہر بات کا زیادہ خیال رکھوں گی۔ بٹوا صبح ہی پہنچا دیا جائے گا اور دوپہر کی شرعت میں جوتیش کے پاس چلی جاؤں گی۔ پہلے فون کر لوں گی ———"

نرمل اس طرح دیکھ رہا تھا گویا کچھ جانتا ہی نہیں۔ دفعتاً بات کاٹ کر بولا: — "بملا، جوتیش کے دل میں تمہاری محبت ابھی تک باقی ہے ——— محبت اصل میں مٹتی ہی کب ہے! شام کو باتوں میں جب تمہاری طرف اشارہ ہوتا اُسکی آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی تھی۔ ہاں، تمہارے خیال سے وہ ہر بات پر آمادہ ہو جائے گا ———"

"میں بھی یہی سمجھتی ہوں" — "تمہیں احساس ہے؟" — اس خیال سے کہ نرمل اس کے تاثرات کو پڑھ کر بملا کے خطرات سے آگاہ نہ ہو جائے، بملا نے ہاتھ کی آڑ کر لی اور کہنے لگی: — "ہماری موجودہ ضرورت تھوڑے سے روپیوں سے رفع ہو جائے گی ———" "جب لینا ہے تو اتنا لے لیا جائے کہ پھر تردد نہ ہو — اور لینے کے لئے کم اور زیادہ یکساں ہے؟" بملا کھڑی ہو گئی اور بھرائی سی آواز میں کہنے لگی: — "نرمل اب بہت دیر ہو گئی ہے، تمہارے لئے نہایت ضروری ہے کہ اپنی طاقت و توانائی کی حفاظت کرو۔ ایسا ایسی کیا بات ہے جو تم افسردہ ہو؟ اُٹھو، اب سو جاؤ۔" بملا نے آہستہ سے خوابگاہ کا دروازہ کھولا اور ہونٹوں پر اُنگلی رکھکر نرمل کو متنبہ کیا کہ کھٹکا نہ ہونے پائے۔ خود کمرے میں داخل ہو کر موم بتی روشن کی، اور پھر دروازے پر آکر کہنے لگی: — "آؤ، سو جاؤ!" — نرمل کھڑا ہو گیا، میز پر ہاتھ ٹیک کر بھرے ہوئے کاغذوں پر نظر ڈالی، پھر ہاتھوں کو سر پر حلقہ کر کے ایک انگڑائی لی۔ اُس شام کی کوفت و سوخت نے اُس کے چہرے کا رہا سہا رنگ بھی اُڑا دیا اور وہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ میز کی دراز کھینچی، اُنگلیوں سے بٹوے کو ٹٹولا اور پھر اُٹھا کر دراز میں ڈال دیا، اُس نے دراز بند کر دی اور بٹوا آنکھوں سے اوجھل ہو گیا — "آجاؤ، نرمل!" — دفعتہً نرمل غصے کی فوری کیفیت سے کانپ گیا اور بولا: —

"دروازہ بند کر لو، اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" "مگر تم بیمار ہو، اور زیادہ بیمار ہو جاؤ گے!"

"بلا، جو کہتا ہوں وہ کرو! میں کام کروں گا، اسوقت طبیعت حاضر ہے۔" بلا کی خود اعتمادی اور قوت ارادی رنج اور خوف سے بدل گئیں وہ اول تو ڈری مگر پھر دروازہ بند کر لیا۔ نرمل ایک بوڑھے آدمی کے لڑکھڑاتے قدموں سے کھڑکی تک گیا اور سر کی ایک ڈرامائی جنبش کے بعد باہر کی فضا کو دیکھنے لگا، اور دیر تک دیکھتا رہا۔ دفعتاً وہ "شیطانی روشنی" موقوف ہو گئی۔ نرمل نے "اچھا!" کہا اور نہایت سکون و اطمینان کی حالت میں میز پر پہونچ کر اپنے کام میں لگ گیا۔ نرمل کی مثنوی دراصل پوری ہو چکی تھی مگر تمام نہ ہوئی تھی، کیونکہ خود اسکی "حزنیۂ حیات" ابھی ناتمام تھی۔ نرمل نے اُس میں آخری باب کا اضافہ کیا اور اپنی "حزنیۂ حیات" کی تکمیل کرنے اُس کھڑکی پر آ کھڑا ہوا یہ وہ وقت تھا کہ کلکتہ میں چاروں طرف کی سڑکوں سے مچھلی اور سبزی کی گاڑیاں آنا شروع ہو جاتی ہیں، صبح صادق کی ہوا کے سکون خیز جھونکے سرگوشیوں میں کچھ سمجھانے لگے لیکن نرمل نے کھڑکی میں سے جست کی اور ہوا کے سمندر میں غوطہ لگا کر نائب ہو گیا۔

اُدھر بلا کی آنکھ کھلی تو وہ پکاری اٹھی "پیارے نرمل، آ کے سو جاؤ — صبح تم بہت تھک جاؤ گے!"

نرمل مقبول ہو یا نہ ہو مگر مشہور شاعر ضرور تھا۔ اُس کی خودکشی کی خبر سے شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ اخبار کے نامہ نگاروں نے متواتر کئی روز تک ہنگامہ جاری رکھا۔ جوتیش نے اخبار والوں کو ضروری اطلاعات دیکر بلا اور شیلا کو دار جلنگ بھیج دیا مگر اخباری لوگوں نے وہاں بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ہفتوں اخباروں کے کالم نرمل کے متعلق مضامین شائع کرتے رہے اور اُس کی غیر مطبوعہ مثنوی کے لئے متعدد ناشروں نے لالچ دلایا۔ نرمل کی "حزنیۂ حیات" جوتیش کی سپردگی میں دیدی گئی

اس مثنوی میں خود نرمل کی داستان زندگی نظم ہوئی تھی۔ ختم داستان پر نرمل ایک عرصہ تک انجمن میں مبتلا تھا، کیونکہ نظم کا اُٹھان اور اُس کے مطالب کا پرواز مقتضا تھی تھا کہ فسانہ الم انجام ہو، لیکن وہ خود تو زندہ تھا! فسانے کے ہیرو کو جھوٹ موٹ مار ڈالنا اُسکی صناعت کی فطرت سے خارج تھا۔ نرمل طے کر چکا تھا کہ فسانے کا انجام ناتمام رہے۔ لیکن اُس رات کو جوتیش سے باتیں کرتے میں خود نرمل کے مغز سے "حزنیۂ حیات" نکل گیا، جسے اُس نے ایک الہام سے تعبیر کیا اور اُسے "حزنیۂ حیات" بنانے کا تہیہ کر لیا۔ حسن اتفاق ہی اُس پر یہ انکشاف ہوا کہ بلا جوتیش سے شادی کر کے زیادہ آرام سے بسر کر سکتی ہے، اُسے کیا حق تھا کہ بلا کو بقیہ سے آلام رکھے! اس احساسات و خیالات نے اُس کے اندر ایک محشر بپا کر دیا اور بالآخر اُس نے اپنی کتاب زندگی کو بند کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ جوتیش نے اُس مثنوی کا ایک فلم بنایا جو نہایت مقبول ہوا کتاب شائع کی جس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ بلا اور شیلا کو دنیا میں کسی بات کی کمی نہ رہی — اسوجہ سے کہ نرمل نے اس کے واسطے اپنی جان دی تھی! — دوسروں کی زندگی ہمیں بیدار نہیں کر سکتی، جو شے ہمیں بیدار کر سکتی ہے وہ خود اپنی زندگی کا ابتلا ہے، نرمل نے جب خودکشی کی تو گویا اس کی حیات بیدار ہو گئی۔

آل — احمد

بھوک

(ایک چشم دید واقعہ سے متاثر ہو کر)

علی الصباح، کہ دنیا تھی محوِ خواب ابھی
چھپا تھا حجرۂ مشرق میں آفتاب ابھی

فلک پہ انجمنِ شب کا تھا اثر باقی
کھڑا ہوا تھا ستاروں میں ماہتاب ابھی

فضائیں گم تھیں دھندلکے میں آخرِ شب کے
عروسِ صبح کے چہرے پہ تھی نقاب ابھی

نہ آئی تھی ابھی سرخی افق کے چہرے پر
شفق نے چرخ پہ چھیڑی نہ تھی شراب ابھی

غنودگی میں فضائیں تھیں سر جھکائے ہوئے
میں جا رہا تھا سڑک پر قدم بڑھائے ہوئے

مگر تھا پیشِ نظر اک مرقعِ ادبار
دلِ غریب کی صورت اداس تھا بازار

بجز صدائے نفس کے کہیں نہ تھی آواز
بجز ہوائے سحر کے کوئی نہ تھا بیدار

وہ کوٹھیاں وہ طرب خانہ ہائے دولت و عیش
جہاں تھے آخرِ شب تک حیات کے آثار

وہ بال بھی موت کے بیٹھے تھے ہر طرف پہرے
نہ صبح تھی، نہ سہانے، نہ بزم تھی، نہ بہار

گداگروں کے کئی قافلے بجائے تباہ
پڑے ہوئے تھے سرِ راہ نیند میں سرشار

یکایک ایک طرف اٹھ گئی جو میری نظر
عجب طرح کا نظر آیا سامنے منظر

گلی کے موڑ پہ اک آدمی پریشاں حال
کہ جس کی شام جوانی تھی سوگوارِ زوال

جھکی جھکی ہوئی نظریں، نزار و ماندہ دل
دھنسی دھنسی ہوئی آنکھیں، سمٹتے ہوئے گال

برہنہ جسم، خمیدہ کمر، رمیدہ حواس
بدن نڈھال، طبیعت نڈھال، روح نڈھال

زبانِ "لغزشِ پا" پر فسانۂ شب و روز
سطورِ چین جبیں میں حدیثِ ماضی و حال

سمجھ گیا میں اسے دیکھتے ہی حال اس کا
کہ اس کی شکل بیک وقت تھی جواب و سوال

بساطِ خاک پہ بیٹھا ہوا تھا خاک بسر
پڑی تھی سامنے کوڑے پہ کچھ سڑی ہوئی دال

سگِ حریص کی مانند چاٹتا تھا اسے
بُرا تھا بھوک سے کچھ اس قدر غریب کا حال

میں اس مہیب نظارے کی تاب لا نہ سکا
قدم بڑھے کے بڑھے رہ گئے اٹھا نہ سکا

رضا نقوی

غزل :—

فراق گورکھپوری

قصۂ دردِ محبت ہی تو ہے
کیوں نہیں سنتے حکایت ہی تو ہے

جن کو اُن آنکھوں نے غافل کر دیا
آج کیوں جاگیں قیامت ہی تو ہے

مل کے اہلِ غم سے وقتِ عرضِ حال
جھک گئی چشمِ مروت ہی تو ہے

درد کے مارے ہوئے بھی سو گئے
چھا گئی ان پر بھی غفلت ہی تو ہے

ہم وہی ہیں اے نگاہِ آشنا
خوش نہیں ہوتے طبیعت ہی تو ہے

عشق کو رہنے دے اپنے حال پر
امتیازِ درد و راحت ہی تو ہے

صبر بھی رکھتے ہیں تیرے بیقرار
کاٹ دیں گے شامِ فرقت ہی تو ہے

آنکھ جھکتے ہی اُڑیں چنگاریاں،
شرم ہی تو ہے شرارت ہی تو ہے

راز اس کا کھل نہیں سکتا فراق
درد ہی تو ہے محبت ہی تو ہے

غزل :—

(جگر بریلوی)

کیونکر کہوں زباں سے کہ تو مہرباں نہیں
لیکن میرا نصیب کہ میں شادماں نہیں

کوئی تو نازشِ صفتِ ماتم بھی چاہئے
میرا وجود تیرا ستم رائگاں نہیں

پھولوں کا رنگ دیکھ رہا ہوں چمن سے دور
افسوس ہے کسی کو خیالِ خزاں نہیں

کیفیت و سرور ہے اور جلوۂ جمال
اب میں نہیں، زمین نہیں، آسماں نہیں

مصروفِ کارِ عشق خموشی سے ہیں جگر
ہم آشنائے شیوۂ آہ و فغاں نہیں

ہم کو تاثیرِ غم سے مرنا ہے،
اب اسی رنگ میں نکھرنا ہے

جاں نثاری قبول ہو کہ نہ ہو
ہم کو اپنی سی کر گزرنا ہے

اب کوئی زہر دے کہ بادۂ ناب
ایک پیمانہ ہم کو بھرنا ہے

دیکھ لی ہم نے عشق کی معراج
اس سے آگے ابھی گزرنا ہے

حسن ہو عشق ہو جنوں ہو کہ ہوش
سب سے بیگانہ دل کو کرنا ہے

غزل :—

(مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر)

جنوں میں بھی وہی خواب پریشاں دیکھ لیتا ہوں
وفا کا عہد اُن ہونٹوں پہ لرزاں دیکھ لیتا ہوں

معاذ اللہ تیرے حسن روز افزوں کی آرایش
پئے یک جلوہ خونِ صد گلستاں دیکھ لیتا ہوں

نیاز عشق رخصت آنکھ اُٹھانے کی نہیں دیتا
اگر دست طلب میں تیرا داماں دیکھ لیتا ہوں

ادا کچھ بلتی جلتی ہے ترے دامن سمٹنے کی،
گلوں کو دیکھ کر اپنا گریباں دیکھ لیتا ہوں

کبھی ترک تمنا پر، کبھی عرض تمنا پر
محبت کو محبت سے پشیماں دیکھ لیتا ہوں

مجھے کیا کام تھا نظارۂ گلہائے خنداں سے
مگر تیری خوئے نا پشیماں دیکھ لیتا ہوں

اثرؔ فکر رسا جب بال پرواز ہوتی ہے،
فضائے شعر میں نغموں کا طوفاں دیکھ لیتا ہوں

محکمۂ اطلاعات عامہ صوبجات متحدہ کی ایک تحریر

ہمیں موصول ہوئی ہے، جس میں نگار کے بعض اطلاعات کی ان الفاظ میں تردید کی گئی ہے :—

مکرمی — تسلیم

نگار بابت اگست ۱۹۳۸ء میں "ملاحظات" کے زیر عنوان صوبجات متحدہ میں سینٹری انسپکٹروں کے انتخاب کے سلسلہ میں ڈائرکٹر صحت عامہ (جنھیں نگار نے مسلمان قرار دیا ہے) اور آنریبل وزیر لوکل سلف گورنمنٹ کی جس گفتگو کا حوالہ دیا گیا ہے وہ غالباً کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے

واقعہ یہ ہے کہ موجودہ ڈائرکٹر صحت[1] عامہ مسلمان نہیں بلکہ ہندو ہیں اور جس گفتگو کا ملاحظات میں ذکر کیا گیا ہے وہ وزیر موصوف اور ڈائرکٹر صحت عامہ کے درمیان کبھی نہیں ہوئی۔ ابھی سال ۴۳ سینٹری انسپکٹر مقرر کئے گئے ہیں جن میں ۱۱ مسلمان ہیں

امید کہ جناب "نگار" کی آیندہ اشاعت میں ضروری تصحیح کر دیجئے گا

دستخط ڈپٹی ڈائرکٹر (اردو)

(نگار) ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ آنریبل وزیر لوکل سلف گورنمنٹ سے جس گفتگو کا حوالہ اگست کے نگار میں دیا گیا ہے وہ نہیں ہوئی

---

[1] جس نے غلطی سے ڈائرکٹر لکھ دیا تھا میری مراد محکمۂ صحت عامہ کے ہیڈ آفیسر سے تھی